سلسلۂ کہکشاں نمبر ۱

ماہِ عجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

باب اوّل

للعجب! دُنیائے ناپائدار! ان لاتعداد پھولوں کی طرح جو خواب گاہِ عروس میں حسنِ مجسّم کو مہکا اور عالمِ اجسام میں جوانِ شیر سے بچھڑ جانے والی ماں کو ہڈیوں کے ڈھیر کا پتہ بنا کر بادِ سموم کے ہاتھوں خاک میں مل گئے۔ اُن ان گنت روشنیوں کی مانند جو قصرِ شاہی کو منوّر اور بڑھیا کی جھونپڑی کو روشن کرنے کے بعد ہوا کے جھونکوں سے ٹھنڈی ہو گئیں چشمِ تامّل آج بھی تیرے سینے میں اُن ہستیوں کو پوشیدہ دیکھتی ہے جن کو رفتارِ زمانہ ملیا میٹ کر چکی۔ اور جن کے مبارک نام آغوشِ تاریخ میں بے خبر پڑے سوتے ہیں۔ تیری داستانِ پارینہ گنجینہ ہے اُن جواہرات کا۔ جو ماند ہو کر بھی چاند کی طرح چمک رہے ہیں۔ تیرا چہرۂ لب بستہ گلدستہ ہے اُن سدا بہار پھولوں کا جو مرجھا کر بھی دُنیائے محبت کو معطر کر گئے۔ قومیں تیری آغوشِ شفقت میں نہیں۔ اور بن بن کر بگڑیں خاندان تیری نگاہوں میں بڑھے۔ اور بڑھ بڑھ کر فنا ہوئے۔ ولیوں اور کیانیوں کے تاج تیری گود میں چمکے۔ ساسانی اور زابلستانی تیرے قدموں میں پروان چڑھے۔ قصرِ زبیدہ کی بربادی تو نے دیکھی۔ برامکہ کا انقلاب تو نے دیکھا جعفر کا قتل تجھ میں ہے۔ خالد کی تلوار تجھ میں۔ مگر.....

للعجب للعجب! دنیائے ناپائدار للعجب!! زلیخا کا حسن۔ عزّہ کی ادا۔ قیس کی دیوانگی۔ کثیر کا عشق تو نے طشت از بام کیا لیکن مملکتِ حسن کی وہ مایۂ ناز دیویاں جن کے سروں پر محبت کے تاج جگمگائے۔ دولتِ حسن جن کے قدموں پر لوٹی جن کی چمک نے چاند اور تازگی نے پھولوں کو شرمایا

تیرے ذہن سے فراموش ہیں!!

صد آفریں! مادر ایران! صد آفریں۔ پرستش کے قابل تھی تیری مبارک سرزمین جس نے ابیلا جیسے لال اُگلے۔ اقبال جس کا غلام۔ نصرت جس کی چیری۔ حُسن جس پر مفتون۔ ملاحت جس کی کنیز۔ ناز و انداز کی سردار۔ دریائے نزاکت کی دُرِ شاہوار۔ شجاعت کی جان۔ جرأت کی کان۔ ہمت جس کی خُو۔ مروت جس کی بُو۔ صورت میں کنعانی۔ سیرت میں لاثانی۔ والیٔ حکومت۔ مالکِ سلطنت۔ انصاف جس کا کام ابیلا جس کا نام!

اس دولت وحشمت۔ اس شکل وصورت اور اس غرور ونخوت پر کہ جشنِ بہرام میں دُور دُور کے بادشاہ اور شہنشاہ کس کا مذہب اور کیسا عقیدہ۔ کہاں کی عید اور کدھر کا تہوار۔ ایک نظر کے بھوکے اور دیدار کے مشتاق تین دن اور تین رات مازندراں میں ڈیرے ڈالے پڑے رہے۔ مگر بات کرنی تو درکنار پرچھائیں تک دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔ محبت کی کسوٹی پر پرکھی گئی۔ تو چندن کی طرح چمکی اور کُندن کی طرح دمکی۔ ضطوان والئے اصفہان جس کی تلوار نے سیستان سے پابستان تک خون کے دریا بہا دئے۔ پورے تین ماہ اس اُمید پر حاضر رہا۔ کہ ایک دفعہ اس صورت کو دیکھ لوں۔ مگر ارمان پورا نہ ہوا۔ حسرت بھری نگاہیں پابوس قدموں سے لوٹیں۔ اور دیرینہ تمنائیں ناکامی کا ماتم کرتی واپس ہوئیں۔

خدا کی شان۔ ایک دُنیا جس کی طالب۔ ایک عالم جس کا خواہاں۔ دولت عزت والے سلطنت حکومت والے جس شمع کے پروانے۔ جاہ وثروت والے۔ شان وشوکت والے جس صورت کے دیوانے اس کی آنکھیں ایک مفلس جوگی ایک گمنام بیراگی پر خون کے آنسو گرائیں۔ پرسلان دو سال کی متواتر محنت اور لگاتار کوششوں سے لاکھوں کا روپیہ اٹھا اور دن رات کا چین گنوا اس توقع پر محل تیار کرے کہ ابیلا کے قدم اس محل کو جگمگائیں۔ اور شہزادی کا انکار قصر پرسلان کے ساتھ دم بھر میں توقعات کے چھنے چنائے محل کو ڈھا دے۔ اور معمولی فقیر جس کا نام نہ نشان۔ پتہ نہ خبر۔ اغماض کرے اور مرغوب ہو۔ ناز کرے اور محبوب بنے!

واہ رے دیارِ محبت! جس آنکھ کی ایک گردش پر سینکڑوں دل پامال اور ہزاروں جانیں قربان ہوں۔ وہ آنکھ تیرہ گھنٹے کی رات صحافہ کے پہاڑ پر آنکھوں میں کاٹ دے! ہوا اس کا منہ چومے پتے اس کے پاؤں پر لوٹیں۔ چاند اس پر فریفتہ اور تارے اس پر قربان ہوں۔ مگر اس کے استغراق میں فرق نہ آئے!!

معرکہ ماژندراں مدتیں ہوئیں ختم ہوگیا۔ قصر آبیلا کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ ایوان میڈیا جو نمونۂ جنّت تھا۔ آج بیابانِ قیامت خیز ہے۔ جہاں پھول مہکتے تھے۔ وہاں خاک اڑ رہی ہے جس سرزمین پر ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے رواں تھے۔ اُس پر کتّے لوٹ رہے ہیں۔ اور جہاں دلکش نغمے اور نشیلی تانیں تھیں۔ وہاں اُلّو بول رہا ہے!

حیاتِ انسانی کی بے اعتنائی کسی حد تک ترقی کرے۔ دُنیائے فانی کی کج ادائی کسی درجے پر پہنچ جائے۔ کشاکشِ زیست کتنی ہی لاپروائی پر کمر باندھے لیکن پھر بھی عالمِ تخیّل میں آبیلا کا حُسن بے نظیر خراجِ رُونمائی اُن نگاہوں سے وصول کر رہا ہے جن کی پروازِ سطحِ ارض سے عالمِ بالا تک ہے اموت آبیلا اور مسعود دونوں کا گلشنِ حیات اُجاڑ چکی۔ مگر مملکتِ محبّت میں دونوں قربانیاں وہ کام کر گئیں۔ اور نام چھوڑ گئیں۔ کہ دل درد آشنا ہمیشہ ان کے گیت گائیں گے۔ سرزمین ماژندراں کتنی ہی ویران اور کیسی ہی پامال کیوں نہ ہو جائے لیکن وہ اس دولت سے مالا مال ہے جس کا موجودہ بازارِ محبّت میں کال ہوگیا! ماژندران، ماژندران کا کھنڈر۔ کھنڈر کی خاک کا ہر ذرہ جہاں یہ دونوں مبارک ہستیاں پیوندِ زمین ہوئیں۔ لائق پرستش ہے!

ماژندرانی شہزادی آبیلا کے برخلاف جو زہر اُگل گئے۔ یہ ان کی لیاقت اور حماقت تھی۔ واِلّا حق یہ ہے۔ کہ اسی کی سلطنت کا طفیل اور حکومت کا صدقہ ہے۔ کہ تاراج و برباد ہو کر بھی جو دو چار خاندان سرزمین ایران میں آباد ہیں۔ بلا محنت و مشقّت پیٹ پال لیتے ہیں۔ ورنہ جس قوم کے افراد اس درجہ سُست اور کاہل ہو جائیں۔ کہ ساحل پہ ڈیرے ہوں۔ اور پانی حاصل کرنے کے لیئے دُوسروں کی مدد کے محتاج۔ اُن کی ہستی آج فنا نہ ہوئی۔ کل ہوگی اور سچ پوچھو تو ہو ہی گئی + یا وہ عروج تھا اور کثرت کہ دروازوں پہ ہاتھی۔ سواریوں میں گھوڑے۔ جدھر دیکھو ماژندرانی ہی ماژندرانی۔ یا یہ ادبار و قلت کہ پیٹ کو ٹکڑا نہ تن کو چیتھڑا۔ کوئی بھولا بسرا۔ بھٹکا بھٹکایا کبھی کبھا کوچہ و بازار میں دکھائی دے گیا۔ تو دے گیا + سرزمین ایران نے ان کا وہ وقت بھی دیکھا۔ کہ ملک اپنا حکومت اپنی۔ اور یہ سماں بھی کہ بدنصیبوں کو مٹھی بھر چنوں کے لالے پڑ گئے۔ حق الامر یہ ہے۔ کہ کم بخت ازلی بدنصیب اور سدا کے تقدیر پھوٹے تھے۔ حکومت میں بغاوت کا اندیشہ کانٹے کی طرح کھٹکا۔ ریاست میں خاندانی تنازعات سے رات دن پریشان رہے۔ اس پر طرّہ آبیلا کا عشق تھا۔ جو خرمنِ حیات پر بجلی کی طرح گرا اور رہا سہا خاک سیاہ کر دیا + عقل کے اندھے اور طبیعت کے غلام اگر صبر سے کام لیتے۔ تو شہزادی آبیلا ان کا ایسا لال تھی۔ کہ تمام قوم کو مالا مال کر جاتی۔ مگر انّھم اخفّنا

کتنے بیوقوف انسان اور ضدی لوگ تھے۔ کہ مٹ گئے۔ خاک سیاہ ہو گئے۔ مگر حکومت کا زعم دماغوں سے نہ نکلا۔ محلوں کی رہنے والیاں جھونپڑوں میں پہنچ گئیں۔ پھولوں پر سونے والے ریت کے ٹیلوں پر پڑنے لگے۔ مگر سلطنت کا نشہ نہ اُترا پر نہ اُترا!

ملزم اور مجرم خطاوار اور قصور وار سب کچھ صحیح۔ پھر بھی ایک عظیم الشان سلطنت کا انہدام ایک طاقتور گروہ کی بربادی۔ ایک زندہ قوم کی موت یقیناً رحم کی مستحق اور عبرت کا سبق ہے!

عجب! ثم العجب!! دُنیائے ناپائدار! ثم العجب!!! جس قوم نے ایک نہ دو اکٹھی سات صدی تک تجھ پر حکومت کی۔ تیرے سینے میں اپنے قدم گاڑے۔ آج تو ان کو اس طرح بھول گئی۔ کہ اُن کا وجود ہی نہ تھا!

غلطی پر ہیں وہ قومیں! جو تیرے جلووں پر بھول کر اپنی ہستی کو بھول گئیں۔ تو وہ حنا ہے جس میں رنگ۔ وہ پھول ہے جس میں خوشبو۔ وہ چاند ہے جس میں چمک اور وہ طائر ہے جس میں نغمہ نہیں۔ تو بھولے گی ہر قوم کو اور ہر گروہ کو۔ اور زندہ رکھے گی ان کو اور صرف ان کو جو خود زندہ رہیں اور زندہ رہنے کی کوشش کریں!

(۱)

تیسری صدی عیسوی کا چوتھائی حصہ ختم ہوتے ہی فارس میں بغاوت کی کچھ ایسی آگ بھڑکی کہ عورت اور مرد جوان اور بڈھے سب نے مصمم قصد اور حتمی عہد کر لیا۔ کہ جب تک اغیار کا طوقِ غلامی گردن سے نہ اُتار پھینکیں گے۔ اطمینان سے نہ بیٹھیں گے۔ فارس اس وقت برطی قوم کے زیرنگیں تھا۔ اور گو قانونی مراعات بہت کچھ تھیں۔ پھر بھی وطن کا جوش اُبل پڑا۔ جی اُکتا چکے۔ اور متواتر حکومت نے غلامانہ زندگی سے بیزار کر دیا تھا۔ دفعتہً اُردشیر نامی ایک شخص کی صدا حکومت خود اختیاری کے نعرے لگاتی ہوا میں گونجی۔ ہنگامہ سخت۔ معرکہ قیامت خیز۔ لڑائی غضب ناک تھی لاشوں کے ڈھیر اور کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ فارسیوں کا جوش قابلِ داد تھا۔ مادرِ وطن کے مُبارک قدموں پر جانیں نثار کرتے تھے۔ اور قدم پیچھے نہ ہٹتا تھا۔ جم کر لڑے اور لڑ کر کٹے۔ بھِڑ کر ڈٹے اور ڈٹ کر مرے۔ وقت نے مساعدت کی۔ اور فتح نے کامیابی کا سہرا اُردشیر کے سر باندھ ساسانی حکومت کا فارس میں بیج بو دیا۔ یہاں تک کہ یہ شجر بڑھتے بڑھتے اتنا بار آور ہوا۔ کہ اس کے بٹھائے ہوئے ایوان کسریٰ کی بنیادیں نوشیرواں کے ہاتھوں رکھی گئیں۔ اور زمانہ کی رفتار نے کئی حکومتیں خاک میں ملا کر تاج شاہی یزدجرد کے سر پر رکھ دیا!

یہ وہ وقت تھا۔ کہ خاکِ عرب سے اس ذات پاک کا ظہور ہوا جس کی صداقت نے ایوان کسرے کی بنیادیں ہلا دیں۔ اور نعرۂ توحید سے زمین و آسمان گونج اٹھا۔ دعوتِ اسلام جب پرویز کو دی گئی۔ تو جل کر خاک ہوگیا۔ قصہ مصمم تھا اور ارادے بڑے۔ کوشش کا آغاز تھا۔ اور مخالفت کی ابتدا ہمت پوری تھی۔ مگر فرصت کم۔ موت نے مہلت نہ دی۔ اور بیٹے کے ہاتھ سے قتل ہوا ۔۔

شیرویہ باپ کو مار کر خود تخت پر بیٹھا۔ مگر عمر نے وفا نہ کی تخت سلطنت نے کئی کینچلیاں بدلیں۔ اور تاج شاہی پھرتا پھراتا مردوں سے ان عورتوں تک پہنچا۔ جو پوران دخت اور آزرمید دخت کے نام سے مشہور ہوئیں۔ مگر اُن کا زمانہ بھی برسات کا چھینٹا تھا۔ چند روز بعد خاتمہ ہوا۔ اور سلطنت یزدگرد کے حصے میں آئی جس نے اپنے ساتھ ہی حکومت کو بھی ابدی نیند سلادیا ۔۔

یزدگرد کے دورِ حکومت میں ماژندران کی ریاست ایک ضعیف العمر بادشاہ میڈیا کے زیرنگیں تھی جس کی عمر کا حاصل صرف ایک لڑکی ملکہ ابیلا تھی۔ میڈیا تھا تو برطی النسل۔ مگر عقائد کے اعتبار سے کچھ ایسا لامذہب سا تھا۔ کہ اس کو کسی خاص مذہب سے متعلق کرنا بہت مشکل ہے۔ ابیلا باپ کی طرح لامذہب تو نہ تھی۔ مگر فارسیوں کا میل جول۔ ماں کی تربیت۔ رعیت کی صحبت آتش پرست بھی تھی۔ اور عیسائی بھی۔ اس کی طبیعت امورِ مملکت کی طرف بچپن ہی سے مائل تھی رعیت کی دلجوئی و دلداری میں مصروف رہتی۔ جب یزدگرد تخت پر بیٹھا۔ تو ابیلا کی عمر چودہ سال کی تھی حُسن کا سکہ دُور دُور بیٹھ چکا تھا۔ یہ واقعہ ہے۔ کہ ابیلا فارس بھر کی جان تھی۔ ایسی حسین عورت اس سے پہلے یا اس کے بعد سرزمین فارس سے دوسری پیدا نہ ہوئی۔ اس کی صورت دیکھ کر قدرت کی صنعت کے آگے سر جھکا دینا پڑتا تھا۔ اور کہنا پڑتا تھا۔ کہ الحق حُسنِ یُوسف کا بہترین نمونہ فارس میں پیدا ہوا۔ فارس ہی پر کیا منحصر ہے۔ دُور دُور سے لوگ میڈیا کے اس پھول کی زیارت کو آتے جس نے تمام سرزمین کو مہکا رکھا تھا ۔۔

قصرِ ابیلا کنارِ دریا پر وہ دلکش عمارت تھی جس کا بلوریں فرش اور سنگ مرمر کی دیواریں۔ بہشت شداد کا نمونہ تھیں۔ انواع واقسام کی گلکاری اور سونے چاندی کی پچی کاری سے در و دیوار جگ مگ جگ مگ کر رہے تھے۔ نہریں جاری تھیں۔ آبشار گرتے تھے۔ باغ مہکتا تھا پھول کھلتے تھے۔ اور اس طرح ماژندران کا یہ قطعہ زمین طاق کسرے کو مات کر رہا تھا ۔۔

ابیلا کے چراغِ حسن کا روشن ہونا تھا۔ کہ اس کی شعاعوں نے قصر ابیلا کو اور بھی منور کر دیا۔ فارس کی باگ اُس وقت یزدگرد کے ہاتھ میں تھی۔ اور ابیلا کے حُسن کی دھاک سُن سُن کر اُس کے

منہ میں پانی بھرا چلا آرہا تھا کئی مرتبہ کوشش کی کہ ملکہ اس کی مہمان ہو۔ پیغام بھیجے۔ میڈیا کے پاس بھیجے۔ ابیلا کے نام بھیجے۔ مگر بڈھا بادشاہ باتوں ہی باتوں میں ٹالتا رہا۔ ادھر یونانیوں کا سپہ سالار موقن ایک دفعہ نہیں تین بلکہ چار دفعہ اسی توقع پر آیا۔ مگر جیسا آیا۔ ویسا گیا۔ میڈیا اس خیال سے تو ضرور خوش تھا۔ کہ خدا نے اس کو ایک ایسی حسین لڑکی کا باپ بنایا جس پر سلطنتیں فریفتہ اور والی سلطنت نثار ہو رہے ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ اندیشہ بھی لگا ہوا تھا۔ کہ اس شمع حسن کی یہ تجلی مازندران میں خون کے دریا بہا دے گی۔ آتش پرستوں کا مشہور تہوار عید بہرام سر پر آیا۔ اور قصر ابیلا میں دھوم دھام کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ تو میڈیا نے سوچا۔ کہ اب میرا آخری وقت ہے۔ سلطنت کی مالک لے دے کر ابیلا۔ رہا شہریار۔ وہ ابھی بچہ ہے۔ کیا خبر جئے یا مرے۔ رہے نہ رہے۔ بہتر ہوگا۔ کہ اس سلسلہ میں آس پاس کے حکمران جمع کروں۔ اور اپنے سامنے ابیلا کو تخت پر بٹھا دوں۔ اگر کچھ جھگڑا اٹھنا کھڑا بھی ہو تو میرے سامنے ہی ختم ہو جائے۔ بلاوے بھیجے گئے۔ انکار کس کو ہو سکتا تھا۔ منہ مانگی مراد اور مدتوں کی آرزو ابیلا کا دیدار تھا۔ پیام سر آنکھوں پر رکھا۔ اور شرکت کی تیاریاں ہونے لگیں۔

۳

خلافتِ فاروقی کا دریا زور شور سے لہریں لے رہا ہے۔ بصرہ و دمشق جہاں شب و روز کفر و ظلمت کی گھٹائیں چھائی رہتی تھیں۔ نورِ توحید سے معمور ہے۔ قیصر اور پال جیسے جلیل القدر لوگوں کی گردنیں جن کی شجاعت سے دنیا لرزتی تھی۔ اسلام کے آگے جھک گئیں۔ اور جن عورتوں کی عصمت و عفت بازارِ عقل و مملکتِ عدل میں گاجر مولی سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی۔ ہادیٔ برحق کے نام لیواؤں کی پناہ میں آگئیں۔ کفر و شرک کی ظلمت جس نے مطلع حیات کو سیاہ اور آسمان حیات کو تیرہ و تار کر رکھا تھا۔ ہزاروں کوس دور ہوئی۔ جہاں رات دن شراب کے دور اور جوئے کے داؤں چلتے اور لگتے تھے۔ وہاں شمعِ اسلام کے نور سے در و دیوار جگمگا اٹھے۔

دوپہر کا سنسان وقت اور گرمی کا موسم ہے۔ آفتاب قیامت خیز کی غضب ناک شعاعیں۔ ریگستانِ عرب کے آفت ناک لو سے لو کے جھکڑ اور ہوا کے تھپیڑے کائنات کے ہر ذرے کو جھلسا رہے ہیں۔ رمضان المبارک ۱۵ھ ہجری کی ستائیسں تاریخ ہے۔ اور مسلمانوں کا وہ جلیل القدر خلیفہ جس کے نام نے روئے زمین کو دہلا دیا جس کی شجاعت کا لوہا ساری دنیا مان گئی۔ جس کے عدل کا سکہ ایک عالم کے دل پر بیٹھ گیا۔ عراق کی سڑک پر شجر زیتون کے نیچے۔ منہ میں روزہ ہاتھ میں

کلام الٰہی کمبل کا کرتہ پہنے خاموش بیٹھا ہے۔ گرمی کا یہ حال کہ چیل انڈا چھوڑے۔ بدن پسینے میں شرابور مگر نگاہ سڑک کے انتہائی نقطے پر جمی ہوئی ہے۔ ہوا کے جھکڑ اور پتوں کی سائیں سائیں کے سوا کوئی آواز نہیں ہے۔ لیکن امیرالمومنین کی نظر کسی شخص کی متلاشی ہے۔ اور قلب مضطر کسی پہلو چین نہیں لیتا۔ آفتاب نے منزل نصف النہار سے قدم آگے بڑھایا۔ اور روز روشن کی صراط مستقیم میں خم شروع ہوا۔ تو سڑک کے آخری کنارے پر کسی متحرک شے نے ساکت نظروں کو جھٹکا دیا بے چینی لحہ بہ لحہ ترقی کر رہی تھی۔ اور شوق آناً فاناً آور تیز ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ تفتیش نظر میں اعانت رفتار بھی شامل ہوئی۔ اور خواہش اتصال کی توقع نے جو اس خاص لمحے میں محض ہیئت وہمی تھی۔ رفتار میں سرعت اور نظر میں وسعت پیدا کی۔ باصرہ کی کوشش تھوڑی دیر بعد کامیاب ہوئی۔ اور شبہ نے حقیقت کی صورت اختیار کی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ایک سانڈنی سوار بھاگم بھاگ اڑا آ رہا ہے۔ اس روزہ دار کی طرح جو افطار کے اشتیاق میں غروب آفتاب کا منتظر ہو۔ اس غریب کاشتکار کی مانند جو حالت قحط وموسم برسات میں نزول باراں کا متوقع ہو۔ خلیفہ وقت اسلام وہ جوہر درخشندہ جو تاریخ اسلام کو جگمگا گیا۔ خطاب کا وہ بچہ جس کا مثل مادر گیتی آج تک نہ جن سکی۔ سوار کے الفاظ کا منتظر تھا۔ جب وہ وقت آ گیا۔ کہ قاصد کی نظر امیرالمومنین کے چہرے پر پڑی۔ تو باواز بلند سلام علیک کہہ کر اتر پڑا۔

امیرالمومنین۔ وعلیکم السلام۔ غزوۃ الجسر کا انجام کیا ہوا؟

قاصد۔ مسلمانوں کی شکست!

ایک بجلی تھی جس نے گر کر ایک تیر تھا جس نے گھس کر چند لحہ کے واسطے بے قابو کر دیا۔ فوراً آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔ اور فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن! غصے کے مارے چہرہ سرخ ہو گیا۔ حمیت اسلامی رگ رگ سے ٹپک رہی تھی۔ اور دریائے شجاعت موجزن تھا۔ خواہش تھی کہ فوراً اور جی چاہتا تھا۔ کہ اڑ کر پہنچوں۔ اور ایرانیوں کو بتا دوں۔ کہ شہدائے اسلام کی قربانیاں اپنی موت میں فتح کا راز چھوڑ گئی ہیں۔ دفعتہً زوال آفتاب نے نماز ظہر کی اطلاع دی شہنشاہ حقیقی کی جبروت کے آگے سر تسلیم خم کیا۔ اور قاصد کو ساتھ لے مسجد نبوی میں آئے۔ فریضہ نماز ادا کیا۔ اور فرمایا۔

"خدا کا وعدہ سچا ہے مسلمانوں سے لغزش ہوئی مفصل کیفیت بیان کر"

قاصد۔ ہمارے پہنچنے کی خبریں دم دم کی دشمن کو مل رہی تھیں۔ خراسان کا عامل رستم مقابلے

کے واسطے منتخب کیا گیا جس نے تمام اضلاع عراق میں جہاد کا اعلان کیا۔ اور ٹڈی دل لشکر جمع ہو گیا۔ نرسی اور جاپان دو مشہور سپہ سالار اپنی اپنی فوجیں لے کر رستم کی اعانت کو آئے۔ ہم حیرہ تک پہنچ چکے تھے۔ کہ ان کی اس جمعیت کا حال معلوم ہوا۔ اور مصلحت یہی سمجھی۔ کہ قعادہ میں قیام کریں پڑاؤ کئے کوئی چھ گھنٹے گزرے ہوں گے۔ کہ جاپان اپنی عظیم الشان فوج لے کر نمازق میں داخل ہوا ابو عبید نے جو اس وقت جنت الفردوس میں آرام کر رہے ہیں۔ فوج کو آراستہ کیا۔ اور نمازق جا پہنچے۔ دشمن کی فوج تعداد میں ہم سے بہت زیادہ تھی۔ جوشن اور مروان دونوں مشہور جری میمنہ و میسرہ پر احکام جاری کر رہے تھے۔ لڑائی خونریز تھی۔ مگر ہمارے قدم پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ ابو عبید نے اس وقت باآواز بلند کلمۂ توحید پڑھا۔ اور دشمن پر زبردست حملہ کیا۔ ایرانی ہمارے حملے کی تاب نہ لا سکے۔ اور بھاگے۔ مروان و جوشن دونوں گرفتار ہوئے۔ مروان قتل کر دیا گیا۔ مگر جوشن کی التجا پر ایک سپاہی کو رحم آگیا۔ اور اس نے اس سے رہائی کا وعدہ کر لیا۔ جس وقت ہم کو یہ معلوم ہوا کہ یہ فتنہ پرداز شخص ہے۔ اور اگر زندہ رہا۔ تو پھر کوئی نہ کوئی آفت برپا کرے گا۔ تو اس وقت سب کا مشورہ اس کی موت کا فتوے تھا۔ مگر باوجود بغاوت کے سخت احتمال کے ابو عبید نے اس کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا۔ کہ "اسلام میں بدعہدی جائز نہیں"۔

اس کے بعد ہم کسکر کی طرف چلے۔ جہاں نرسی کے زبردست لشکر نے ڈیرے ڈال رکھے تھے سقاطیہ پر مقابلہ ہوا۔ نرسی نے شجاعت کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ مگر جانبازان عرب اور فدائیان اسلام کے استقلال میں فرق نہ آیا۔ آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ کہ ابو عبید نے الا اللہ کہہ کر حملہ کیا۔ نرسی کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور وہ میدان سے بھاگا۔ اس فتح نے آس پاس کے تمام علاقے ہمارے تحت میں کر دئے۔ اور ثبوت وفاداری میں باروسما کے رئیس فرخ نے ابو عبید کی دعوت کی۔ انواع و اقسام کے کھانے بھیجے۔ مگر جب یہ معلوم ہوا۔ کہ کھانا صرف ابو عبید کا ہے۔ تو انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا۔ کہ "ہمارے ہاں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں"۔

ہماری فتح نے تمام ایران میں تہلکہ مچا دیا۔ رستم نے کاوہ آہنگر کا جھنڈا بلند کیا۔ اور کہہ دیا کہ جب تک مسلمانوں کے ناپاک قدموں سے اپنی زمین کو پاک نہ کر لیں۔ کھانا پینا سونا ہنسنا سب حرام ہے۔ لوگ جوق در جوق جمع ہونے شروع ہوئے۔ جب پورا پچاس ہزار کا لشکر فراہم ہو گیا۔ تو کیانیوں نے حلف اٹھایا۔ کہ میدان جنگ میں پشت نہ دکھائیں گے۔ مر جائیں گے۔ اور مسلمانوں سے منہ نہ موڑیں گے۔ رستم اور بہمن وہ دونوں جری جو ایران کے مایۂ ناز تھے۔ آندھی کی طرح اٹھ

اور بگولے کی طرح مُرذفہ پہنچے + دریائے فرات ہمارے سامنے لہریں مار رہا تھا جس وقت ہم نے نماز فجر کا سلام پھیرا۔ تو قاصد نے آکر کہا۔ کہ ہماری فوجیں چونکہ نشۂ شجاعت سے سرشار ہیں۔ اس لئے زیادہ انتظار نہیں کر سکتیں۔ تم ادھر آتے ہو تو آؤ ورنہ ہم اُدھر آکر تمہارا خاتمہ کرتے ہیں +

ابو عبید نے مشورہ طلب کیا۔ اور یہ بھی کہا۔ کہ مجوسی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمارا اس پار نہ جانا نامردی کا ثبوت ہے بہمن کا خیال ہے۔ کہ مسلمانوں میں ادھر آنے کی ہمت نہیں۔ کھڑے ہو جاؤ۔ فرات کو عبور کرو۔ اور دشمن کو تیغ اسلام کے جوہر دکھا دو۔ ہمارے تمام سردار اس رائے کے خلاف تھے۔ بالخصوص مثنیٰ اور مستلط۔ لیکن ہم کو چونکہ ان کی اطاعت کا حکم مل چکا تھا۔ اور ہمارا پاک مذہب حاکم وقت کی اطاعت کا حکم دے رہا ہے۔ اس لئے زیادہ عذر نہ کر سکے۔ اور اس پار جا پہنچے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا۔ کہ میدان ناہموار اور تنگ ہے۔ فوج مرتب ہو سکتی ہے۔ نہ مقابلہ درست کیا ایرانیوں کے ہمراہ پانچ سو ہاتھی موجود تھے۔ جو اس سے قبل ہم نے دیکھے تک نہ تھے۔ گو ابو عبید نے اپنی جرات و ہمت میں فرق نہ آنے دیا۔ مگر ہاتھی جدھر رُخ کرتے تھے صفیں کی صفیں اُلٹ جاتی تھیں۔ جنت کا مسافر ابو عبید جنگ کا یہ رنگ دیکھ کر گھوڑے سے اترا۔ اور تلوار کا ایک ہاتھ بہمن کے ہاتھی پر ایسا دیا۔ کہ سونڈ کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ مگر وقت موافق نہ تھا۔ ابو عبیدہ کا پاؤں پھسلا۔ اور ہاتھی نے ہڈی پسلی چکنا چور کر دی +

ابو عبید کی شہادت نے مسلمانوں کی کمر ہمت توڑ دی۔ مگر انہوں نے مقابلے میں فرق نہ آنے دیا۔ حکم اور اس کے بعد سات اور سردار بنی ثقیف کے کام آئے۔ اور آخر کار علم مثنیٰ نے ہاتھ میں لیا۔ ہر چند کوشش کی۔ مگر میدان اس قدر تنگ تھا۔ کہ پھر رنگ نہ جم سکا۔ عبد اللہ۔ عقبہ۔ ابو امیہ الفرازی سلیط جیسے بہادروں نے جام شہادت نوش کیا۔ اب اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ کہ بقیہ فوج پھر اصلی مقام پر آجائے۔ مگر دشمن نے پل توڑ دیا تھا۔ تاہم مثنیٰ نے نہایت ہوشیاری سے دوبارہ پل تیار کیا۔ اور ہم لوگ واپس آئے +

(۳)

قصر ابیلا کنارِ دریا پر دُولہن کی طرح آراستہ و پیراستہ کھڑا ہے۔ در و دیوار کے بیش بہا جواہرات آفتاب کی روشنی میں قمر چہار دہم کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ سونے چاندی کے شامیانے چاروں طرف نصب ہیں۔ ایرانی و کاشانی مخملوں کا فرش دُور تک پھیلا ہوا ہے۔ انواع و اقسام کے شاداب پودے۔ رنگ برنگ کے خوشنما پھول ہوا میں جھوم رہے ہیں۔ شامیانۂ خاص میں تخت زمردیں ہے

جس کے جگر و للّبس کرسیوں کی قطار مسلح فوج محل کے آگے کھڑی ہے۔ اُمراو رؤسا زرق برق لباسوں میں داخل ہو رہے ہیں۔ مگر باوجود اس رونق اس چہل پہل اور اس گھما گھمی کے خیمۂ خاص میں ایک قسم کی خاموشی طاری ہے۔ اور یہ گھروں کے بادشاہ جو اپنے گھر بار چھوڑ چھاڑ یہاں آکر جمع ہوئے ہیں۔ صرف اس وقت کے منتظر ہیں۔ جب آنکھیں اس نور سے روشن ہوں جس کے کارن مصیبت اٹھائی اور زحمت بھگتی۔ خدا خدا کرکے شہزادی کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا۔ ایرانی باجوں کی سُریلی صدائیں شروع ہوئیں۔ اور شاہ میڈیا اس مجسمۂ حسن کو ساتھ لئے شامیانے میں داخل ہوا۔ شہزادی اس وقت گلابی لباس میں تھی۔ اس کے ہاتھ ہندوستانی تزئین سے قطعاً محروم تھے۔ مگر انگلی میں ایک انگوٹھی تھی جس میں مازندران کا بیش قیمت ہیرا جڑا ہوا تھا۔ کانوں میں لال و یاقوت کے آویزے تھے۔ اور گلے میں الماس و زمرد کا ہار۔ آنکھیں صرف نشۂ شباب میں چور تھیں۔ اور ہر نگاہ جدھر پڑتی تھی بجلی کا کام کرتی تھی۔ سرخ و سپید رخسار پر حریر کی ایک ہلکی سی نقاب تھی اور اس ظالم نے شعلۂ حسن کو اور بھی بھڑکا دیا تھا۔ لب نازک گلاب کی دو پتیاں یا دیبا کی ایک تہ تھی۔ جو قدرت نے اس چاند سے چہرے پر کھلا دیں اور بچھا دی تھی۔ مشتاق نظریں صورت دیکھتے ہی کلیجہ پکڑے رہ گئیں شہزادی مستانہ چال سے جھومتی جھامتی آگے بڑھی۔ زمین اس کے پاؤں کو اور ہوا زلف سیاہ کو بوسے دے رہی تھی۔ تخت زمرد میں نے قدم آنکھوں سے لگائے۔ نگاہیں رخ روشن پر قربان تھیں ایک آگ تھی۔ جو بھڑک رہی تھی۔ ایک قیامت تھی۔ جو بپا تھی۔ ایک جادو تھا۔ جو چل رہا تھا۔ یہ مکمل حسن جس نے ابیلا کی انسانی صورت اختیار کی تھی۔ اپنے اثرات سے آشنا نہ تھا۔ گلابی اور رسیلی آنکھیں ناز حکومت یا غرور حسن کی وجہ سے نہیں۔ تقاضائے نسوانیت سے نیچی تھیں۔ گریہ آن میں پوشیدہ تھا۔ تبسم ان میں پنہاں تھا۔ حیا ان کا زیور تھی۔ اور اغماض ان کا جوہر۔ فوج نے سلامی دی۔ اُمرا نے نذریں۔ شاہوں نے داد حسن اور رعیت نے دعائے اقبال +

اب پھر سناٹا تھا۔ ہر آنکھ خاموش۔ ہر نظر ساکت ہر لب بند۔ کہ میڈیا نے اپنا تاج شہزادی کے سر پر رکھا۔ اور اعلان کیا۔ کہ آج سے مازندران کی حکومت ملکہ ابیلا کے سپرد کی گئی۔ خوشی کے نعروں سے گنگا جمنی شامیانے اور قصر ابیلا کے در و دیوار گونج اٹھے۔ مگر پھر وہی خموشی اور سناٹا کوئی نظر پلٹنے کا۔ کوئی آنکھ ہٹنے کا اور کوئی پلک جھپکنے کا نام نہ لیتی تھی۔ نگاہیں اس صورت پر جمی ہوئی اور دل اس شمع قدرت کو دیکھ دیکھ کر روشن ہو رہے تھے۔ کہ چوبدار آکر زمین بوس ہوا۔ اور عرض کیا :-

"ملکۂ با اقبال! اصفہان کا ایلچی اذن دربار کا خواستگار ہے"
اجازت عنایت ہوئی۔ ایلچی حاضر ہوا۔ تیغ اصفہان کو بوسہ دیا۔ اور کہا:-
"والئے ماژندران کو ہمارے بادشاہ کی طرف سے سلام کے بعد یہ پیام پہنچے کہ شہزادی ابیلا ماژندران کے ساتھ اصفہان کی ملکہ بھی بنائی جائے۔ تاکہ یہ شادی دونوں سلطنتوں کے تعلقات کو مستحکم کر دے۔ اگر یہ تجویز نامنظور اور شادی سے انکار ہے۔ تو یاد رہے۔ کہ ماژندران کی تمام زمین آدمیوں کے خون سے لال ہوگی۔ اور اس کا ذمہ دار شاہ میڈیا ہوگا"۔

شہزادی کے تیور بگڑ گئے۔ میڈیا کی پیشانی پر بل آگیا۔ اور جس قدر فرمانروا اپنی اپنی آرزوؤں میں مست بیٹھے تھے غصے سے سُرخ ہو گئے۔ ابھی دونوں باپ بیٹیاں خاموش تھے۔ کہ سیستان کے حاکم قتیبہ نے جھٹ اپنی تلوار نکالی۔ اور ایلچی سے کہا "ہمارے سامنے اس کمینے کی اتنی مجال! کہ ملکہ ابیلا کا خیال دل میں لاسکے؟ اس کو اطلاع دے دو۔ کہ یہ تلوار اس کا خون چاٹ کر میان ہوگی" قتیبہ کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ دُوسرے حکمرانوں نے بھی اس کی تائید کی۔ اور ایلچی ذلت کے ساتھ واپس کر دیا گیا۔

(۴)

چادرِ مہتاب طیبہ میں آرام کرنے والے شہنشاہ کے قدموں میں لوٹ رہی ہے۔ رات کا پچھلا پہر ہے۔ ہوا خنک اور کھجوروں کے جھنڈ چاروں طرف جھوم رہے ہیں۔ فدائیانِ اسلام مسجدِ نبوی میں بیٹھے محاسبہ و مراقبہ میں مصروف ہیں۔ روضۂ اقدس آنکھوں کے روبرو اور جلوۂ یار نگاہ کے سامنے نشۂ عشق میں سرشار۔ یادِ دلدار میں منہمک دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہیں۔ چاندنی پائے مبارک کو بوسہ و داعی دے کر ماند ہوئی۔ تارے مسکنِ اقدس پر آخری نظریں ڈال کر جھلملائے اور چاند مزارِ مبارک کے روبرو گردن جھکا دھم پڑا۔ موذن نے وداعِ شب کی خبر باشندگانِ مدینہ کے کانوں تک پہنچا کر خدائے برحق کی عظمت کا گیت گایا۔ صدائے توحید کا بلند ہونا تھا۔ کہ زمانہ خدا کی توفیق خدا سے کھنچا کھنچا بکھر گیا۔

صبح کا سہانا وقت ہے۔ اس صورت کے شیدا جو مجموعۂ حسنات تھی۔ اس نام کے عاشق جو غریبوں کا ملجا اور یتیموں کا ماویٰ تھی۔ ہاتھ باندھے خاموش خدا کے حضور میں حاضر ہیں۔ کلامِ الٰہی کے الفاظ ہوا میں گونج رہے ہیں۔ نمازیوں کا قلب ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔ آدھ گھنٹے سے زیادہ بھی

...بعد امیر المومنین نے کہا۔

...و نسیان کا پتلا ہے غلطی کا ارتکاب اس سے ممکن۔ گناہ پر اصرار اور غلطی پر ...ر مسلمان کا شیوہ نہیں۔ لغزش کا اقرار۔ قصور پر استغفار ہمارا فرض ہے بخشش کے دروازے کھلے اور رحمت کا دریا پیش نظر ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ جو مسلمان مروفہ سے واپس آئے خجالت کی بیڑیاں اُن کے پاؤں میں اور ندامت کے طوق اُن کے گلے میں ہیں۔ وہ گھروں میں چھپے بیٹھے ہیں۔ اور مجھ کو کیا اُنہوں نے کسی مسلمان کو اپنی صورت نہیں دکھائی مگر میں علے الاعلان کہتا ہوں۔ کہ وہ مرد میدان بے گناہ ہیں۔ ابو عبید جس کی پاک روح اس وقت اپنے آقا و مرشد کے حضور میں حاضر ہے۔ جوش حمیت میں دریا کے پار چلا گیا۔ اور شکست کھائی مگر یاد رکھو۔ خدا کا وعدہ سچا۔ اس کا اقرار اٹل اور اس کے الفاظ کوہ گراں ہیں۔ یقین کرو۔ کلمۂ توحید کا جھنڈا ایک دفعہ ایران کی ہوا میں اڑے گا۔ وہ ہڈیاں جو تم دفن کر آئے ہو اُن کو مُردہ نہ سمجھو۔ وہ تمہاری شجاعت کی منتظر اور تمہارے حملے کی راہ دیکھ رہی ہیں۔ اُن کو مُردوں کی ہڈیاں نہ سمجھو۔ یہ حکومتِ اسلام کی بنیاد تھی۔ جو تم مروفہ میں رکھ آئے۔ مروفہ کی آنکھیں تمہارے قدموں کو۔ ابو عبید کی اور ابو اُمیہ کی ہڈیاں تمہاری صورتوں کو ترس رہی ہیں۔ خدا کا سایہ تمہارے سر پر۔ کتاب اللہ تمہارے سامنے ارشاد رسُول تمہارے پاس۔ اور اسلام کی صداقت تمہارے ساتھ۔ گلشن اسلام کے وہ بیج جو ہادیٔ برحق نے سرزمین عرب میں ڈالے تھے۔ تم نے اپنے خون جگر سے انہیں سینچا۔ اور آج اس کے پھول ایک عالم میں کھل رہے ہیں۔ تم نے اپنی راحتیں قربان کیں۔ اپنی دولتیں لٹائیں۔ اپنا آرام نثار اور اپنی آسایش خدا کے وعدوں پر فدا کی۔ تم نے اپنی قربانیاں چڑھا کر اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔ یہ زمین جس پر تم آج کھڑے ہو۔ کفر کا معدن اور ظلمت کا مخزن تھی۔ مگر جب خدا کی رحمت کا نزول شروع ہوا۔ تو یہ خیر البشرؐ جو اس خاک کے ڈھیر میں آرام کر رہا ہے ہماری ہدایت کو بھیجا گیا۔ یہ وہ ہے جس نے دولت پر لعنت بھیجی اور بادشاہی پر لات ماری۔ پیٹ پر پتھر باندھ کر چمڑے کے پیوند لگا کر تم کو صداقت کے معنی بتائے۔ تمہاری آنکھیں دیکھ چکی ہیں۔ کہ اُس سر سے خون کے فوارے چھوٹے مبارک دانت شہید ہوئے۔ اور جسم اطہر زخموں سے چکنا چور ہوا۔ لیکن پاک زبان سے کلمۂ حق کے سوا کچھ نہ نکلا۔ تم وہ سماں بھول نہیں سکتے۔ کہ قبیلہ تسب کی ایک بڑھیا اس بادشاہ اسلام

کوسٹرک پر بٹھائے اپنی بپتا سنا رہی ہے۔ اور خدا کا پیارا اُمت کا دُلار ہے۔ ہم جب تک زندہ ہیں۔ وہ باتیں یاد رکھیں گے۔ کہ فقیروں اور غریبوں کے شاہ دوسرا کی گود میں لوٹ رہے ہیں۔ دیکھو غزوۂ خیبر تمہارے سامنے، جنگ موتہ تمہارے رُوبرو اور سریہ علقمہ پیش نظر ہے +

امیر المومنین کی تقریر ختم نہ ہوئی تھی۔ اور نہ مقصد اصلی بیان کہ مسجد میں کہرام مچ گیا۔ لوگ دیواروں سے سر پھوڑنے لگے۔ ایک جم غفیر صحن میں لوٹنے لگا۔ کچھ مزار مبارک سے لپٹ گئے۔ کچھ ہائے ہائے کرنے لگے۔ امیر المومنین نے اُن کو سمجھایا۔ ضبط کی تلقین کی۔ اور کہا۔ یہ گریہ زاری بے سُود ہے ہادئی برحق ہم سے جُدا نہیں۔ ہم میں موجُود ہے۔ اور ہمارے اعمال و افعال کو دیکھ رہا ہے۔ صبر کرو۔ دُعا کرو اور کوشش کرو۔ کہ اسلام کا بول بالا ہو!

خلیفۂ وقت کی تقریر آناً فاناً طیبہ ہی میں کیا۔ گرد و نواح میں گونج گئی۔ جو جس حال میں تھا۔ سیدھا اٹھ خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ قبیلہ ازد کا سردار مخنف بن سلیم سات سو سوار لے کر آیا۔ قیس بن ہبیرہ قبیلہ بنو تمیم کا سرپرست ایک ہزار آدمی لے کر۔ دوپہر سے قبل تو میدان آدمیوں سے پٹا پڑا تھا۔ بنو حنظلہ بنو کنانہ بنو حیہ اور رباب کے تمام قبیلے باآواز بلند کلمۂ توحید پڑھ رہے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی۔ کہ نمرو اور تغلب کے عیسائی سردار حاضر ہوئے۔ اور عرض کی۔ کہ یہ عرب و عجم کا مقابلہ ہے۔ اجازت دیجئے۔ کہ ہم بھی اسلام کے قدموں پر جانیں قربان کریں +

جریر بجلی نے اپنے قبیلے کے تمام آدمی جمع کئے۔ جو تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ ادھر مثنیٰ نے بھی کچھ فوج عراق میں فراہم کی۔ اور امیر المومنین کو اطلاع دی + مسلمانوں کے اس جوش کی خبر جب ایرانیوں کو پہنچی۔ تو انہوں نے پچاس ہزار لشکر تیار کیا۔ اور مہران بن مہرویہ ہمدانی جس نے عرب میں تربیت پائی تھی۔ اور معاملات سے پورا آشنا تھا۔ سپہ سالار مقرر کیا گیا +

مسلمان نماز فجر سے فراغت پاکر کلمۂ توحید پڑھتے روانہ ہوئے۔ اور کوفہ کے قریب مقام بویب پر پڑاؤ کیا۔ مہران بھی اپنا ٹڈی دل لشکر لے کر چلا اور فرات پر ڈیرے ڈال دئے۔ اب دونوں فوجوں کے درمیان صرف دریا حائل تھا۔ مہران کا جوش لحظہ بہ لحظہ ترقی کر رہا تھا۔ ابھی آفتاب پوری طرح طلوع نہ ہوا تھا۔ کہ تیار ہو کر فوج آراستہ کر دی +

مثنیٰ اس وقت افواج اسلامیہ کے سپہ سالار تھے۔ میمنہ و میسرہ مذعور اور نسیر کے سپرد کیا۔ پیدل پر مسعود اور قبیلۂ عصیر پر عاصم اور گشتی فوج پر علقمہ +

... طرح آراستہ ہوگئی۔ تو مثنیٰ نے ایک گشت لگایا۔ اور مسلمانوں کے سامنے ... ریلی۔ کہ سب کے دل نذر گئے۔ اس وقت میدان جنگ کے اسلامی قواعد یہ تھے۔ کہ ... ہی تکبیر پر فوج مسلح دوسری پر تیار اور تیسری پر حملہ کرتی تھی۔ مثنیٰ نے صرف پہلی ہی تکبیر کہی تھی۔ کہ ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ مسلمان بھی نشۂ شجاعت میں چُور تھے تاب نہ لاسکے۔ اور آگے بڑھے مگر مثنیٰ نے ان کو واپس بلایا اور کہا۔ اسلام کے مقررہ اصول ہاتھ سے نہ دو۔ اور تکبیروں کی تعمیل کرو تیسری تکبیر پر مسلمان آگے بڑھے۔ ایرانیوں کے نعرے آسمان تک پہنچ رہے تھے۔ مثنیٰ کو طیش آگیا اُنہوں نے نمر و اور تغلب عیسائی سرداروں سے کہا۔ اس میں شک نہیں۔ کہ تم عیسائی ہو۔ مگر اسلام کی حمایت میں اپنی جانیں قربان کرنے آئے ہیں اب خود مہران پر حملہ کرتا ہوں ہشیار رہنا۔ اور اگر چاہو تو میرے ساتھ تم بھی آؤ۔ دونوں نے لبیک کہا۔ اور مثنیٰ نے بسم اللہ کہ کر اس جوش و خروش سے حملہ کیا۔ کہ ایرانیوں کا میمنہ ٹوٹ گیا + اتنا موقع پاتے ہی مسلمان بجلی کی طرح قلب لشکر پر گرے۔ قریب تھا۔ کہ ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ جائیں۔ مگر مہران نے للکار کر کہا "اے شجاعان عجم یہ کیا کرتے ہو؟ تمہاری جرأت کا آج ہی فیصلہ ہے۔ بھاگے تو یہ مُنہ دکھانے کے قابل نہیں ہیں" مہران کا نعرہ ایک جادو تھا جس نے اکھڑے ہوئے قدم پھر جما دئے۔ اور یونانیوں نے اس زور سے دھاوا کیا۔ کہ مسلمان نہ ٹھہر سکے۔ فوج کا یہ رنگ دیکھ کر مثنیٰ کے چھکے چھوٹ گئے۔ اور باآواز بلند کہا: ندامت کا پسینہ آج تک تمہاری پیشانیوں سے خشک نہیں ہوا۔ اور شکست کا اثر ابھی تک نمایاں تمہاری صورتوں سے ظاہر ہے۔ اُس زندگی سے یہ موت بہتر ہے فتح تمہارے سامنے ہے۔ ہمت کی دیر اور یقین کی ضرورت ہے۔ یہ سُن کر مسلمان پھر لوٹے اور ٹوٹ پڑے مسعود اس موقع پر کام آئے جو مثنیٰ کے حقیقی بھائی تھے۔ قبیلہ عصیر اپنے سردار کی موت دیکھ کر پیچھے ہٹنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ کہ مثنیٰ کی یہ آواز کان میں گئی " خدا ہمارے ساتھ ہے۔ تمہارا علم جھکنے نہ پائیں" + عیسائیوں کا ایک شجاع اُس بن ہلال جو مثنیٰ کے ساتھ ایرانیوں پر زور و شور سے حملہ کر رہا تھا۔ زخمی ہو کر گرا۔ مثنیٰ نے اس کو گود میں اُٹھا کر اپنے بھائی کے پاس لٹا دیا۔ شام تک لڑائی نہایت زور سے جاری رہی۔ کبھی ایرانیوں کا پاسہ زبر ہوتا تھا کبھی مسلمانوں کا۔ دفعتہً قبیلہ تغلب کا ایک لڑکا آگے بڑھا۔ اور تلوار کا ایک ہاتھ مہران کے سر پر ایسا مارا۔ کہ گردن الگ جا پڑی۔ مہران کے گرتے ہی لڑکا لپک کر اُس کے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ اور کہا +

"میں خاندان تغلب کا لڑکا اور مہران کا قاتل"

مہران کے قتل ہوتے ہی ایرانی بھاگنے شروع ہوئے۔ مگر مثنیٰ نے آگے بڑھ کر فراط کے پل پر قبضہ کر لیا۔ اور ایرانی بقیہ فوج زندہ گرفتار ہوگئی۔

(۵)

ماژندران سے قریباً آٹھ میل کی مسافت پر شہزادی ایبلانین تنہا مُشکی گھوڑے پر سوار خراماں خراماں چلی آرہی ہے۔ دریا اس کے سامنے لہریں لے رہا ہے۔ ہوا دونوں ہاتھوں سے اس کے رُخِ روشن کی بلائیں لے رہی ہے۔ سیاہ بالوں کا دستہ رنگ برنگ کے پھولوں کا گلدستہ بنا کر اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ پیازی رنگ کی چادرِ حریر سر پر ہے۔ اور چشم سیاہ کسی خاص شے پر نہیں اپنی حرکت بیساختہ ٹھٹک کر استغراقِ خیال کا پتہ دے رہی ہے۔ موسم گرم ہے۔ اور گو آفتاب غروب کے قریب ہے۔ مگر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح پیشانی پر لوٹ رہے ہیں۔ پرند اُس کے حُسن کی تعریف میں سرگرم ہیں۔ اور درختوں کے پتے اس کو دیکھ دیکھ کر وجد کر رہے ہیں۔ سرحد برتو سا کے قریب ایک نوجوان جوگی جس کے جسم پر صرف ایک چادر ہے۔ اِدھر اُدھر ٹہل رہا ہے۔ شہزادی گھوڑے کو کھیتوں کی مینڈ پر ڈال کر فقیر کے پاس پہنچی۔ مگر یہ دیکھ کر متعجب بھی ہوئی۔ اور غصہ بھی آیا۔ کہ فقیر نے دیکھا۔ اور دیکھ کر منہ پھیر لینا چاہتا تھا۔ کہ اپنی منڈھیا میں گھس جائے۔ کہ اس آواز نے اس کو روکا۔ "ٹھہر جا" یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ نسوانیت کا اثر تھا۔ حُسن کی شان تھی۔ مملکت کا غرور تھا۔ کیا تھا۔ مگر پسینے کے قطرے اُن پھولوں کی طرح جو بیچوں کی سلوٹ میں مسل جاتے ہیں۔ پیشانی کے بل میں آسودہ تھے۔ فقیر ٹھٹکا نظر نیچی تھی۔ کہا۔ "کیا ہے"؟

ملکہ۔ تو نے مجھ کو پہچانا نہیں۔ میں کون ہوں؟

فقیر۔ پہچاننا نہ پہچاننے کی ضرورت تھا۔

ملکہ۔ میں وہ ہوں جس کی تم رعیت ہو۔

فقیر۔ ہوگا۔ پھر؟

ملکہ۔ میں وہ ہوں کہ میرے ایک اشارے سے تمہاری زندگی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

فقیر۔ یونہی سہی۔ تب؟

ملکہ۔ میں پیاسی ہوں۔ شکار سے واپس آرہی ہوں۔ فوج آگے چلی گئی۔ تھوڑا سا پانی پلا دو۔

اکھڑ فقیر نہ معلوم پانی پلاتا یا نہ پلاتا۔ کہ دو جوان تیغ آب دار ہاتھ میں لئے نمودار ہوئے۔ ملکہ اور فقیر دونوں متحیر تھے۔ کہ فقیر کی آواز کان میں آئی۔ اور ملکہ کا گھوڑا بے دم ہو کر گرا۔ گھوڑے کا گرنا تھا کہ مسلح

حضرت علامہ راشد الخیری صاحب کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اُس زمانہ میں خلیفہ کی لڑائی محض تیر و تلوار کی

جوان شہزادی پر ٹوٹ پڑے۔ اُس کی مشکیں کس لیں + صبا رفتار گھوڑے سڑک پر تیار کھڑے تھے تارے چھٹک رہے تھے۔ چاند نکل آیا تھا۔ اور بیچاری شہزادی کی بیکسی پر آٹھ آٹھ آنسو رو رہی تھی۔ شہزادی کو جوانوں نے گھوڑے سے باندھ دیا۔ خود سوار ہوتے تھے۔ کہ فقیر مسلح سر پر کھڑا تھا۔ جوانوں نے اس کو جھڑکا۔ اور کہا "دُور ہٹ جا"

فقیر۔ اس مظلوم عورت کی اعانت میرا فرض ہے۔ چھوڑ دو۔ ورنہ پچھتاؤ گے +

اس کا جواب تلوار کا ایک ہاتھ تھا جس کو جوگی نے خالی دیا۔ جوان دُوسرا وار کرتا تھا۔ کہ فقیر کی تلوار شب ماہ میں چمکی۔ اور جوان کی گردن زمین میں لوٹنے لگی۔ ہمراہی یہ دیکھ کر بے قرار ہو گیا۔ اور یہ کہہ کر آگے بڑھا "کمبخت فقیر۔ ٹھہر میں تیری جرأت کا مزا چکھاتا ہوں" تلوار پورے زور سے فقیر کے سر پر پڑی۔ ہر چند فقیر نے روکا۔ مگر اُچٹتی ہوئی لگی۔ اور ایک کان زخمی ہوا + ابھی فقیر سنبھلا نہ تھا۔ کہ دُوسرا وار اور ہوا۔ اس دفعہ فقیر نے تلوار ہاتھ پر روکی۔ دو انگلیاں کٹ گئیں۔ مگر اس سے پہلے کہ جوان تیسرا وار کرتا۔ زخمی فقیر اس کو لپٹ گیا۔ تلوار ہاتھ سے چھین کر پھینک دی + دیر تک ہشت مُشت ہوتی رہی۔ اور آخر کار فقیر نے اس کو دے پٹخا اور سینے پر چڑھ کر خنجر سے کام تمام کر شہزادی کی مشکیں کھول دیں +

جب دُوسرا جوان دم توڑ رہا تھا۔ تو اس کے مُنہ سے یہ الفاظ نکلے "ہمارا خون رنگ لائے گا۔ ایبلا اس وقت بچ جائے۔ مگر ہمارے خون کے ہر قطرے سے ایسی جماعت پیدا ہوگی۔ جو ماژندران کو تاخت و تاراج کرے۔ اصفہان کا بچہ بچہ اس انعام کے حاصل کرنے کی فکر میں ہے۔ جو بادشاہ نے ایبلا کی زندہ گرفتاری کے واسطے مقرر کیا ہے"

فقیر نے دریا میں اپنا ہاتھ منہ دھویا۔ زخموں پر خاک چھڑک لی۔ اور جھونپڑی میں جا بیٹھا + ملکہ پیچھے پیچھے تھی کچھ دیر خاموش رہی۔ اور پھر کہا "ماژندران یہاں سے زیادہ دُور نہیں + آپ تشریف لے چلئے میں اور سلطنت آپ کی شجاعت کی ممنون ہے" +

فقیر۔ مجھے ان چکنی چپڑی باتیں سُننے کی ضرورت نہ عادت۔ آپ جائیے +

ملکہ۔ میرا فرض ہے۔ کہ میں آپ جیسے محسن کے احسانات کا شکریہ کسی طرح ادا کروں۔ مجھے خوشی ہوئی۔ کہ میری رعیت میں ایسے ایسے وفادار موجود ہیں +

فقیر۔ میں نے جو کچھ کیا۔ یہ انسانیت کا تقاضا اور شرافت کا فرض تھا۔ میری رائے میں چونکہ یہ احسان نہیں۔ اس لئے شکریہ فضول ہے +

ملکہ۔ مگر میرا دل آپ کے کام کو احسان سمجھ رہا ہے +

فقیر۔ یہ آپ کی عنایت ہے۔ خُدا نے آپ کو دولت دی۔ حکومت دی۔ ثروت دی۔ سلطنت دی اور ...... شکل صورت دی۔ آپ کو اس بات کے سوچنے کی بھی ضرورت نہیں۔ کہ کیا ہُوا اور کیوں ہُوا +

لفظ سلطنت پہ تو ملکہ کان لگائے سن رہی تھی۔ مگر شکل صورت کا لفظ زبان سے نکلنا تھا کہ آنکھیں نیچی ہو گئیں۔ مگر جب یہ دیکھا۔ کہ فقیر نے یہ بھی بات تو چلتی ہوئی کہہ دی۔ اور منہ پھیر لیا۔ تو یہ سمجھ کر کہ اس لفظ میں کوئی خاص خیال شامل نہیں۔ پھر ملتجی ہوئی "آپ میری درخواست اس وقت تک کے واسطے منظور کیجئے۔ اور قصر ابیلا کو منور۔ جب تک آپ کو صحت ہو"

فقیر۔ مجھے شکایت ہی کیا ہے۔ جو صحت کا منتظر رہوں +

رات کا سنسان وقت تھا۔ دریا کی لہریں اُٹھ اُٹھ کر آپس میں گلے مل رہی تھیں۔ فقیر شہ صبا کے اندر تھا۔ اور ملکہ باہر۔ چادر مہتاب اس کے قدموں میں پڑی تھی۔ اور ہوا کے جھونکے گودیں + سطح آب مہ آسمان کو چھوڑ کر ماہِ مازندران کا سایہ آغوش میں لئے نہال نہال تھی۔ ابیلا حسن کی ایک گٹھڑی تھی۔ نور کا ایک دریا تھا۔ ملاحت کا ایک پہاڑ تھا۔ یا قدرت کا ایک نقش تھا۔ جو شہ صبا کے پاس روشن ہُوا + فقیر نے ہر چند بے اعتنائی کی۔ مگر یہ معلوم کرامت کا اثر تھا۔ یا شجاعت کا۔ کہ کانٹا کا ہر ذرہ اس وقت شہزادی پر نثار ہوتا۔ اور شہزادی فقیر پر۔ دفعتہً کچھ خیال آیا۔ حریری چادر پھاڑی اور کنارہ دریا پر آئی۔ فقیر بھی ساتھ تھا۔ ضرورت تھی یا مصلحت مگر اپنے اعتنائی رنگ لائی اور برداشت نہ کر سکا۔ کہ حسن کی یہ پوٹلی کے قدموں پر انسانیت لوٹ رہی ہے۔ میرے واسطے پانی بھرے۔ اور میں دیکھتا رہوں۔ پکڑنا چاہتا تھا کہ ملکہ نے کپڑا بھگو لیا۔ نظریں مقابل ہوئیں دو لمحے تک خاموشی طاری رہی۔ اس کے بعد ملکہ نے کپڑا انگلیوں پہ باندھا۔ کان پر رکھا۔ اور کہا:۔

"آپ فقیر ہیں۔ صبر کے بادشاہ ہیں۔ مگر یہ کیونکر روا رکھتے ہیں۔ کہ ایک عورت کا دل آپ کے انکار سے زخمی ہو۔ اور اقرار سے ٹوٹے اور ایک خواہش کا خون آپ کی وجہ سے ضائع ہو۔ آپ میرے ساتھ چلئے۔ اور میری التجا منظور کیجئے" فقیر نے بہت انکار کیا۔ مگر ملکہ کی طرح اپنی درخواست سے باز نہ آئی۔ تو ایک نگاہ جس میں سب کچھ تھا۔ فقیر نے ملکہ کے چہرے پر ڈالی۔ زبان خاموش تھی مگر آنکھوں نے محبت کا اقرار کیا۔ اس وقت ملکہ کی نگاہ نیچی تھی۔ کہ فقیر نے کہا:۔

خُدا تمہارے حسن میں ترقی۔ عمر میں برکت اور اقبال میں زیادتی کرے۔ میری تو دعا ہے

رہنے دو"۔

اس وقت ملکہ کی نگاہ اونچی تھی۔ آنکھوں نے اقرار محبت کے جواب میں عشق کا دوسرا وار کیا۔ پیشانی پر خفیف سا بل تھا۔ اور نشۂ محبت کی متوالی آنکھوں میں مے ناب کے قطرے جھلک رہے تھے مسکرا کر کہا:۔

"میں غیر ضرور ہوں۔ مگر دشمن نہیں ہوں"!

فقیر۔ آہ! ملکہ عالم۔ کیا کہہ رہی ہو۔ چلو میں حاضر ہوں۔

رات اپنی منزل کا نصف حصہ طے کر چکی تھی۔ اور ملکہ معہ فقیر قصر ابیلا کے عالیشان دروازے میں کھڑی تھی۔ منت کی۔ سماجت کی۔ خوشامد سے کہا۔ چمکار کر کہا۔ مگر فقیر آگے چلنے پر رضامند نہ ہوا اور یہ کہہ کر چلا گیا:۔

"میں وعدہ کرتا ہوں۔ کہ میری آنکھیں اس چہرے کی دوبارہ بلائیں لیں گی"۔

(۶)

مکہ معظمہ کی دو رویہ سڑکیں خیموں سے اور بیت الحرام مسلمانوں سے پٹا پڑا ہے۔ امیر المومنین ارکان صبح سے فراغت پا کر خاموش بیٹھے ہیں۔ لوگ جوق در جوق آتے اور جمع ہوتے ہیں۔ قبائل قیس عیلان مذحج۔ موت اور صدف کے سردار حاضر ہوئے اور عرض کیا "بارہ ہزار فوج ہماری دو ہزار بنی تمیم کی تین ہزار رباب کی۔ چار ہزار بنو اسد کی تیار ہے۔ اس کے بعد سعد بن وقاص نے تین ہزار فوج کے فراہم ہونے کی خوشخبری سنائی۔

امیر المومنین سب سرداروں کے ساتھ میدانِ جنگ میں تشریف لائے۔ اور فرمایا" والئے خراسان فرخ زاد ایرانیوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس کا بیٹا رستم ایک جری فوج لے کر باپ کے خون کا بدلہ لینے پر آمادہ ہوا۔ مگر شکست کھائی۔ اب یزدجرد سوم تخت حکومت پر ہے۔ اور اس کی شجاعت کا بہت کچھ شہرہ سن رہا ہوں۔ تمہاری فاتح فوجیں تمہارے انتظار میں پڑی ہوئی ہیں۔ تاکہ تمہارے پہنچتے ہی آگے بڑھیں۔ معرکہ عظیم ہے۔ اور یہ وہ وقت ہے۔ کہ اسلام اور کفر کا مقابلہ ہوگا۔ بہتر ہے۔ کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔

فوج آراستہ ہوئی۔ ہراول پر طلحہ۔ میمنہ پر زبیر۔ اور میسرہ پر عبدالرحمان بن عوف مقرر ہوئے۔ خلیفہ وقت کا میدان جنگ میں خود جانا معمولی بات نہ تھی۔ مسلمانوں کے دل جوش کے مارے سینے میں اُبل رہے تھے۔ مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر صرار میں پہلا مقام ہوا۔ یہاں پہنچ کر رائے میں اختلاف

ہونے لگا۔ بعض جلیل القدر صحابی جو زمانے کا نشیب و فراز دیکھ چکے تھے۔ امیر المومنین کی شرکت کے خلاف ہوئے۔ کثرت رائے یہی ہوئی۔ اور فاروق اعظم کو واپس ہونا پڑا۔ چلتے وقت ایک پُر زور تقریر فرمائی۔ اور کہا۔ میری دلی خواہش تھی۔ کہ تمہارے ساتھ رہوں۔ مگر اکابر صحابہ اس خواہش کے خلاف ہیں۔ اس لئے تم سب کو خدا کے سپرد اور سعد ابن وقاص کو اپنی جگہ مقرر کرتا ہوں + سعد کی سپہ سالاری میں یہ لشکر روانہ ہُوا۔ اور اٹھارہ منزلیں طے کرنے کے بعد ثعلبہ پہنچا۔ یہ جگہ کوفہ سے تین میل ہے۔ یہاں مثنیٰ اور اُن کی فوج نے اس اسلامی لشکر کا استقبال کیا۔ پانی کثرت سے تھا۔ سرسبز و شاداب قطعے دُور تک پھیلے ہوئے تھے + یہ وہ جگہ ہے۔ جہاں مشہور بہادر مثنیٰ نے اس زخم سے جو پچھلے معرکے میں لگا تھا۔ انتقال کیا +

فوج کی آراستگی اور نظام۔ لشکر کا کوچ اور مقام امیر المومنین کے احکام پر تھا۔ ثعلبہ سے آگے بڑھ کر سراف میں سعد نے فوج کو روکا۔ اور فاروق اعظم کی خدمت میں میدان جنگ کا نقشہ روانہ کیا۔ چونکہ امیر المومنین ان مقامات سے اچھی طرح واقف تھے۔ حکم بھیجا۔ کہ لشکر آگے بڑھے۔ اور قادسیہ میں مقام کرے۔ اور اس طرح کہ سامنے زمین عجم اور پُشت پر پہاڑ ہوں۔ چنانچہ اسی وقت کوچ شروع ہُوا۔ راستے میں عذیب پڑا۔ جہاں ایک سلح خانہ بلا نزد مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ سامنے قادسیہ کا میدان تھا۔ جہاں پہنچ کر سعد نے ڈیرے ڈالے۔ اور امیر المومنین کو اطلاع دے کر مُخبر چھوڑ دئے +

مُخبروں نے پتہ لگایا۔ فرخ زاد کا لڑکا رستم پچاس ہزار جری فوج لئے۔ ساباط میں پڑا ہے۔ یہ سُن کر مسلمانوں کا جوش اور تیز ہُوا۔ ان کو ایک ایک گھڑی ایک ایک سال تھی۔ مگر دربار فاروقی سے حُکم صادر ہُوا۔ کہ لڑائی شروع کرنے سے پہلے سفیر بھیج دو اور دعوتِ اسلام دو۔ مثنیٰ بن حارثہ مغیرہ بن شعبہ عمرو معدی کرب حارث بن حسان عاصم بن عمر عطارد بن حاجب اشعث بن قیس سات آدمی منتخب ہوئے۔ اور اُن کے ساتھ سات آدمی اور بھیجے گئے + پچھلے معرکے میں بغداد تک مسلمانوں کا قبضہ ہوچکا تھا۔ اور اب قادسیہ کا دار الخلافت مدائن مسلمانوں سے صرف بیس کوس کے فاصلے پر تھا۔ سفیر پہنچے۔ اور یزدگرد نے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سُن کر پُوچھا۔ کہ کون لوگ ہیں۔ معلوم ہُوا سفرائے اسلام۔ فوراً اپنا دربار آراستہ کیا۔ اور نہایت تزک و احتشام سے تخت پر بیٹھ کر داخلے کی اجازت دی۔ مسلمانوں کی ہیئت ظاہری ہیبت ناک تھی۔ ہاتھوں میں کوڑے۔ کندھوں پر چادریں موزے چڑھائے چیتے پہنے۔ مجرانہ کورنش + یزدگرد یہ دیکھ کر سناٹے میں رہ گیا۔ اور پُوچھا تم لوگ ہمارے

ملک میں کیوں آئے ہو؟ نعمان نے جواب دیا۔ جو سفرا کے ساتھ تھے۔ کہ ہم کو تمہارے روبرو دو مسئلے پیش کرنے ہیں۔ اسلام ورنہ جزیہ۔ اگر دونوں سے انکار ہے۔ تو تلوار فیصلہ کرے گی۔ یزدگرد کی تیوری پر بل آگیا۔ اور کہنے لگا۔ ریگستان عرب کے رہنے والو۔ ہمیشہ چوہوں اور چھپکلیوں سے فاقے توڑتے۔ پیٹ کو ٹکڑے تن کو چیتھڑا۔ ہم سے مقابلہ کرنے نکلے ہو۔ اپنے خچروں پر اناج اور کھجوریں لادو سیدھے ہو لو۔ نہیں تو یاد رکھنا۔ کتے کی موت مرواؤں گا۔

یزدگرد کی گفتگو ختم ہوئی۔ تو مغیرہ نے کہا۔ تم نے جو کچھ کہا۔ درست ہے۔ ہم اس سے بھی بدتر تھے۔ مگر خدا نے ہم میں ایک ایسا شخص پیدا کیا۔ جو ہمارے دلوں سے تاریکی دور کر گیا۔ اور گو وہ اب ہم سے جدا ہے۔ مگر ہمارے پاس ایسی چیز چھوڑ گیا۔ جو ہر حال میں ہماری رہنما ہے۔ اور یہ ہماری مقدس کتاب کلام اللہ ہے۔ ہم تم کو پہلے دعوت اسلام دیتے ہیں۔ قبول کرو۔ تو ہمارے بھائی اور ہر حق میں ہمارے برابر ہو۔ ورنہ جزیہ دو۔ اور حمایت اسلام میں داخل ہو۔ نہیں تو لڑو۔ اور فیصلہ کر دو۔

یزدگرد غصے سے لال ہو گیا۔ اور حکم دیا۔ ان گستاخوں کو ابھی یہاں سے نکال دو۔

( )

زلف شب کمر سے آگے بڑھ گئی۔ قصر ایسلا کی خاص بارہ دری میں حسینہ ایسلا اپنی مسہری پر لیٹی ہے۔ شمع کافوری کی روشنی گنگا جمنی پردوں سے چھن چھن کر پامال ہو رہی ہے۔ شب خوابی کا لباس ہے۔ بال پریشان۔ آنکھوں میں نیند بھری ہوئی جہاں بیداری کے سرخ ڈوروں نے دونو ناگنوں کو اور بھی زہریلا کر دیا۔ سونے کا قصد کرتی ہے۔ مگر نیند کسی طرح نہیں آتی۔ اٹھی باہر نکلی صنوبر کے پتے اس کی بینائی پر سرگوشیاں کر رہے تھے۔ اوپر دیکھا۔ تاروں کی محفل جمی ہوئی تھی۔ اندر آئی۔ بیٹھی۔ اٹھی ٹہلی لیٹی مگر نیند کہاں۔ پھر اٹھی۔ بایاں ہاتھ جس کی چھنگلی میں شترانی الماس جھلملا رہا ہے۔ پیشانی کے بائیں حصے پر رکھ کر کسی خیال میں غرق ہو گئی۔ آپ ہی آپ سوچا۔ اور کہنے لگی:۔

”کیا کروں کچھ نہیں بنتا کا۔ ظالموں کا پیر۔ قزاقوں کا سردار۔ خیر خواہی کی آڑ میں عصمت کا پہاڑ سر پر دھر گیا۔ کونا کونا ڈھونڈھ چکی۔ چپہ چپہ چھان مارا۔ کہیں پتہ نہیں۔ پرندہ تھا۔ کہ اڑ گیا۔ چھلاوا تھا۔ کہ چھپ گیا۔ گرفتار ہوئی تھی بلا سے۔ خوار ہوتی پھرا رہتا۔ جو پڑی تھی وہ سہتی۔ جو آئی تھی وہ اٹھاتی کیسی قید اور کس کی آزادی۔ یہ بربادی تو نہ ہوتی۔ کہ رات آدھی سے زیادہ گزر گئی۔ اور آنکھ کسی عنوان نہیں جھپکتی۔ انسان نہیں پتھر ہے۔ ہم پر ترس نہیں۔ مگر دوستی کے لباس میں دشمن اور فقیر کے روپ میں قاتل۔ آج آٹھ روز ہو گئے۔ کہاں گیا۔ بیٹا گیا۔ ہنستا بولتا گیا۔ عیش چھوٹا۔ آرام چھوٹا۔ سلطنت کا کام

چھوٹا۔ ہر چیز کا نام چھوٹا۔ بادشاہ حیران وزیر پریشان۔ کروں تو کیا اور کہوں تو کس سے۔ بھلاتی ہوں۔ ہٹاتی ہوں۔ گھرکتی ہوں۔ جھڑکتی ہوں۔ مگر وہ خیال دماغ سے وہ صورت آنکھ سے۔ وہ چہرہ سامنے سے اور وہ حالت نظر سے اوجھل نہیں ہوتی"۔

کیسی قیامت کی رات ہے۔ شمع کی بتی جل چکی۔ گلدستوں کے پتے خشک ہوئے۔ سیج کے پھول مرجھا گئے۔ مگر رات کی تاریکی بدستور۔ دنیا تھک گئی۔ جہان ساکت۔ گھنٹہ خموش۔ بلبل چپ لیکن نہ تھکی تو یہ کمبخت رات!

مگر ہاں جوگی کس کے میت۔ پریت کی توقع ہی غلط۔ پردیسی تھا۔ ہاتھ میں ہاتھ دے کر بات کی لاج نہ رکھی۔ بیوفا تھا۔ دل لے کر۔ جوگی تھا۔ بر کی ڈال کر چلتا ہوا۔

مگر ہائیں! کیا کہہ رہی ہوں۔ نہ معلوم کہاں ہے کس رنگ میں کس حال میں۔ خوش ہے یا ناخوش۔ تندرست ہے یا بیمار۔ کون تھا۔ کیا تھا۔ کدھر سے آیا۔ کہاں گیا۔ منڈھیا ویران۔ دریا سنسان!

دیوانگی تھی۔ جنوں تھا۔ غلط کہا۔ جھوٹ کہا۔ تو شریف ہے۔ انسان ہے حسین ہے محبوب ہے شرافت تیرے چہرے سے۔ انسانیت تیری حالت سے۔ خوبصورتی تیری صورت سے۔ محبت تیری باتوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔ برس رہی تھی۔ ٹپک رہی تھی۔ عیاں تھی۔ تو الفت کا بہترین نمونہ محبت کی جیتی جاگتی تصویر۔ افواج کرم کا سپہ سالار۔ دیار محبت کا تاجدار۔ صورت والا۔ سیرت والا۔ عادت والا۔ خصلت والا۔ الفت محبت والا۔ اس حسن کی ہستی کا۔ اس دل کی بستی کا۔ محبت کی کان کا۔ ایلا کی جان کا۔ مالک۔ آقا۔ مختار۔ حاکم معاف کر۔ گنہ گار ہوں۔ رحم کر نا تجربہ کار ہوں۔

"آجا! امیدوار ہوں۔ مل جا بیقرار ہوں"

توپوں کی متواتر گولہ باری۔ بندوقوں کی پے درپے آتش فشانی نے تہلکہ مچا دیا۔ یہ کیا آفت ہے خدا خیر کرے۔ شہزادی انہی خیالات میں غلطاں پیچاں تھی۔ مریض شب بے بسی کے ساتھ دم توڑ رہا تھا۔ تارے تڑپ تڑپ کر اور چاند تھم تھم کر مدھم پڑ رہا تھا۔ کہ چوبدار نے حاضر ہو کر کہا۔

"ملکہ عالم۔ اقبال سلامت! وزیر جنگ حاضری کا خواستگار ہے!

ملکہ۔ کیا مصیبت ہے۔ رات کو بھی چین نہیں۔ بلاؤ۔

وزیر۔ اقبال باشندران ون دونی رات چوگنی ترقی کرے۔ فیلوکس والی سیستان ایک فوج جرار کے ساتھ حدود باشندران پر حملہ آور ہوا ہے۔ شہر کے دروازے چونکہ بند ہیں۔ اس لئے گولہ باری

شروع کر دی ہے۔ ملکہ عالی کے اقبال سے ماژندرانی بھی نشۂ شجاعت میں چُور ہیں۔ صرف حکم کی دیر ہے۔ تاکہ فیلوکس کو اس کی بداعمالی کا اچھی طرح مزا چکھا دیں +

ملکہ۔ فوراً مقابلے کے واسطے تیار ہو جاؤ۔ اور نمک حرام کو قتل کرو +

ابھی آفتاب پُوری طرح طلوع بھی نہ ہُوا تھا۔ کہ غنیم نے فصیل توڑ دی۔ اور سیستانی اندر گھس آئے شہزادی خود اس وقت فوج کے سر پر موجود تھی۔ اس نے نہایت دُور اندیشی سے ترتیب درست کی۔ اور دشمن کو روکا۔ مگر اس کی اپنی حالت قابلِ اطمینان نہ تھی۔ آنکھیں یہاں تھیں۔ مگر دل کہیں اور تھا۔ محبّت کی گھائل دشمن کی فوج میں بھی تیمر کی متلاشی تھی + دوپہر تک مقابلہ رہا۔ ماژندرانی خوب لڑے۔ اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ گو سیستانی تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ اور فیلوکس دانت پیس پیس کر حملے کر رہا تھا۔ مگر ماژندرانی مادرِ وطن کے قدموں پر پروانوں کی طرح جانیں قربان کر رہے تھے۔ اور پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ جنگ کا یہ رنگ دیکھ کر فیلوکس نے لڑائی ملتوی کی۔ اور شاہ میڈیا کو پیغام بھیجا۔ کہ ہزارہا بندگانِ خُدا کی جانیں ضائع ہو رہی ہیں۔ میں سلطنت یا حکومت کا خواستگار نہیں۔ ماژندران کی حکومت ملکہ ابیلا کو مُبارک ہو۔ بلکہ ساتھ ہی سیستان بھی شہزادی کے سکّے کا منتظر ہے۔ میں صرف شہزادی کا طالب ہُوں۔ اور اس درخواست کے معاوضے میں تمام سلطنت نثار کرنے کو موجود۔ اگر آپ میری درخواست منظور کیجئے۔ تو اس میدان میں جہاں خون کی ندیاں جاری ہیں۔ شادی کے نقارے بجنے لگتے ہیں +

بادشاہ نے وزرا سے مشورہ کیا۔ تو سب نے بالاتفاق یہی رائے دی۔ کہ فیلوکس کیا باعتبار شکل و صورت اور کیا بلحاظ حکومت و سلطنت ایران بھر کی جان ہے۔ بہرحال ملکہ کی شادی کرنی ہے۔ فیلوکس سے بہتر شوہر کون ہوگا۔ سب سے بڑا فائدہ ہم کو یہ ہوگا۔ کہ دونوں طاقتیں متحد ہو کر مسلمانوں کو برباد کر دیں گی۔ جو بلا کی طرح بڑھتے چلے آ رہے ہیں +

خیال پاکیزہ رائے صائب۔ تجویز معقول اور مشورہ ٹھیک تھا۔ درخواست منظور ہوئی۔ قاصد کا جا کر اطلاع دینا تھا۔ کہ فیلوکس خوشی کے مارے اُچھل پڑا۔ اور شادی کی دھوم ہونے لگی +

(۸)

ایک رذیل ہستی۔ ایک ذلیل بندہ۔ اس وادئ پُر خار میں اس مسافتِ دشوار گزار میں تیری اعانت کا طالب گار اور تیرے کرم کا خواستگار ہے۔ یعقوب کی سُننے والا تو تھا۔ یوسف کی لاج تو نے رکھی۔ ابراہیم کے ساتھ تو تھا۔ اسمٰعیل کو بچانے والا تو ہی ہے ...... وہ جس نے یعقوب کو بیقرار

اور صنعان کو گمراہ کیا۔ وہ جس نے یوسف پر الزام رکھا۔ اور زلیخا کو بے قابو کیا۔ وہ جس نے قیس فرہاد کو دیوانہ و کوہکن بنایا۔ اب مجھ پر غالب ہے۔ تو اے وہ تو جس نے یوسف کو اس وقت جب وہ زلیخا کے کمرے میں تھا۔ یعقوب بن کر نبی بنا کر سیدھا راستہ بتایا۔ میرے دل کو صبر۔ میری طبیعت کو ضبط میری آگ کو چھینٹا۔ میرے مزاج کو استقلال دے۔ میری حالت خراب۔ جینا عذاب۔ زندگی مصیبت اور جان آفت ہے۔ اس حسن نے اس حسینہ نے میری جان پر بنا دی۔ میرے ایمان کو زخمی کیا۔ اطمینان دے مجھے چین نہیں۔ سکون دے مجھے قرار نہیں ...... ملا دے۔ مشتاق ہوں۔ دکھا دے۔ مضطرب ہوں۔ ڈرتا ہوں کہ شجاعت۔ اندیشہ ہے۔ کہ جرأت۔ پریشان ہوں کہ عقیدت۔ حیران ہوں کہ ہمت خاک میں نہ مل جائے۔ اور یہ فانی محبت حقیقت سے نہ بھٹکا دے۔

درد ہے۔ طلب ہے۔ خواہش ہے۔ ارمان ہے۔ درد میں اثر دے۔ طلب میں قبولیت دے۔ دے پیدا کر دے۔ عطا کر دے۔ وہ حالت۔ وہ کیفیت کہ شجر اور حجر کوہ اور دریا۔ دن اور رات کائنات کے ہر ذرّے میں وہی صورت نظر آئے۔

اس رات کے سناٹے میں۔ اس ہوا کے فرّاٹے میں۔ اس جنگل بیابان میں اس عالم سنسان میں ایک ناپاک ہستی ایک گنہگار انسان تیرے سامنے سرنگوں ہے۔ اس سجدہ کی شرم اس التجا کی آبرو!

وہ چاند سا چہرہ وہ موہنی صورت۔ وہ رسیلی آنکھیں۔ وہ گلابی رخسار جنہوں نے مل جل کر اس دل کو آناً فاناً مسخر کر لیا۔ میری آنکھ سے اوجھل ہیں۔ میں بے تاب ہوں۔ دیوانہ ہوں۔ اپنے رحم و کرم سے اپنے فضل و عدل سے محبّت میں خلوص خیال میں پختگی اور عقیدے میں استقامت دے.......

(۹)

رات کا ابتدائی حصہ ہے۔ یزدگرد اپنے محل میں بیٹھا رنگ رلیاں منا رہا ہے۔ بیسیوں عورتوں کا طائفہ اس کے سامنے موجود ہے۔ اور اس کی سوتیلی بہن شہر و بہ جواب اس کی ملکہ ہے۔ اس کے پہلو میں بیٹھی مصروفِ عیش ہے۔ شراب کے دور چل رہے ہیں۔ اور لونڈیاں مختلف قسم کے ناچ اور کرتب دکھا رہی ہیں۔ آدھی رات تک یہ محفل جمی رہی۔ اس کے بعد بارہ عورتوں کا برہنہ دستہ سامنے سے گزرا جن میں سے ایک اشارہ پاتے ہی بادشاہ کی خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔ یزدگرد اٹھنے کا قصد کر رہا تھا۔ کہ محفل کی پشت سے غل شور کی آواز آئی۔ دریافت سے معلوم ہوا۔ کہ جو لشکر رباط میں مقیم ہے۔ اور مسلمانوں سے لڑنے گیا ہے۔ اس کے فریادی ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ فوج نے دشمن سے

پہلے ہم کو برباد کر دیا۔ پانسو عورتیں ہر شب ہم کو فراہم کرنی پڑتی ہیں۔ اس پر بھی ہر شخص جب اس کا جی چاہتا ہے۔ گھر میں گھس جاتا ہے۔ اور جو عورت پسند آتی ہے۔ پکڑ کر لے جاتا ہے۔ لوٹ قتل تمہارے دن رات کے سوانگ ہیں۔ ہر وقت جوا اور ہر لمحہ شراب۔ ہم رسد پہنچاتے پہنچاتے تھک گئے۔ مگر لڑائی کسی طرح شروع نہیں ہوتی۔ کہ یکسوئی ہو۔ اگر اس کا تدارک نہیں ہو سکتا۔ تو ہم اسلام کی حمایت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ تاکہ ان مصیبتوں سے چھٹکارا پائیں +

یزدگرد نشے میں بدمست ہو رہا تھا۔ لوگ چیختے پیٹتے رہے۔ اور اس نے توجہ نہ کی۔ مگر صبح ہوتے ہی حکم بھیج دیا۔ کہ لڑائی فوراً شروع ہو۔ حکم پاتے ہی رستم ساٹھ ہزار فوج لے کر ساباط سے چلا اور قادسیہ پہنچا۔ چونکہ امیرالمومنین کا ایک تاکیدی حکم آ پہنچا تھا۔ کہ لڑائی سے پہلے اچھی طرح حجت تمام کر لینا۔ تاکہ مخلوقِ خدا کے خون کا دھبہ مسلمانوں کے دامن پر نہ رہے۔ اس لئے سعد نے عامر بن التمی کو دوبارہ رستم کے پاس بھیجا + ان کا لباس معمولی تھا۔ کمر میں رسی کا پٹکا۔ تلوار کا میان ٹوٹا ہوا۔ رستم دیکھ کر بہت ہی متعجب ہوا۔ اور پوچھا۔ "اسی بل بوتے پر ہم سے جنگ کا قصد ہے؟ کہو کیا کہتے ہو؟" عامر جواب دینے سے پہلے رستم کے پہلو میں جا بیٹھے۔ اور کہا "ہم صرف یہ کہتے ہیں۔ کہ مخلوق کے بجائے خالق کی پرستش کرو"+ لوگ عامر کی جرأت دیکھ کر متحیر بھی ہوئے۔ اور غصہ بھی آیا + آخر ان میں سے ایک نے کہہ دیا۔ کہ "تمہاری مجال یہ کیونکر ہوئی۔ کہ ہمارے سپہ سالار کے برابر آ بیٹھے"؟ عامر نے کہا "ہمارے مذہب کی تلقین یہی ہے کہ سب یکساں ہیں۔ کسی کو کسی پر ترجیح نہیں"+ رستم نشے میں بدمست تھا۔ جھوم کر کہنے لگا "جاؤ۔ صبح کو تمہاری تمام فوج نیست و نابود کر دوں گا"+

علی الصباح دونوں طرف کی فوجیں آراستہ ہوئیں۔ اور قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ یوم الارماث شروع ہوا۔ سعد اس وقت گٹھیا میں مبتلا تھے۔ اس لئے شریک جنگ نہ ہو سکے۔ کیونکہ گھوڑے پر بیٹھنے کے لائق نہ تھے۔ مجبور خالد بن عرفطہ کو سپہ سالار مقرر کیا۔ اور خود تجاویز و تدابیر بتاتے رہے۔ عرب کے مشہور شاعر اور خطیب حطیہ شماخ اوس بن معزا جیسے شیدا انہوں نے اپنی تقریروں سے ایسا جوش پیدا کیا۔ کہ مسلمان لڑائی کے واسطے بیتاب ہو گئے۔ پہلے شخصی لڑائیاں ہوئیں۔ ایرانی چونکہ ناکام رہے۔ اس لئے عام حملہ کر دیا۔ بجیلہ کے رسالے نے اپنے ہاتھیوں کو ریلا + پہلی دفعہ بھی یہ وقت پیش آئی تھی۔ کہ عرب کے گھوڑے ہاتھیوں سے بالکل ناآشنا تھے۔ صورت دیکھتے ہی بچل گئے۔ مگر پیدل فوج آگے بڑھی اور مقابلے میں ڈٹ گئی۔ پھر بھی کجا ہاتھی کجا انسان۔ لڑائی کی یہ ابتدا۔ انجام کی خبر دے رہی تھی + سعد کو یقین ہو گیا۔ کہ میدان ہاتھ سے چلا۔ اس لئے انہوں نے قبیلہ بنی تمیم کو جو تیراندازی

میں بے مثل تھا جوش دلایا۔ جو تمیم سعد کی گفتگو سنتے ہی بھڑک گئے۔ اور تیروں کا ایسا مینہ برسایا۔ کہ سینکڑوں فیل نشین ہودجوں میں ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ اب مسلمانوں کے دل بڑھ گئے تھے۔ انہوں نے ایک اور حملہ کیا۔ اور ہاتھیوں کے قریب پہنچ کر تلوار کے وار شروع کر دئے۔ شام تک یہ ہنگامہ بپا رہا۔ یہاں تک کہ رات نے فریقین کی شجاعت پر تاریکی کا پردہ ڈال دیا۔

(۱۵)

جس رسم نے ہندوستان میں مانجھے یا مایوں کی صورت اختیار کی۔ قیاس چاہتا ہے۔ کہ وہ ایران سے لی گئی ہو۔ آج شہزادی ایبلا کی رسم گل ادا ہو رہی ہے۔ قصر ایبلا کا کوئی ذرّہ اور کونا ایسا نہیں۔ جو پھولوں سے آراستہ نہ ہو۔ فرش پھولوں کا شامیانے پھولوں کے زین پھولوں کی آسمان پھولوں کا۔ نظر جدھر جائے پھولوں کے سوا کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ ہوا رسم گل کے طفیل پھولوں میں بھی اپنی گیلی ٹکٹکی پھرتی ہے۔ خوشبو کے پہاڑ ہیں۔ کہ کوسوں تک ہر شے کو مہکا رکھتا ہے۔ اور سیستانی فوج جو مارے اور مرنے آئی تھی۔ اچھلتی کودتی گاتی بجاتی نہال نہال پھر رہی ہے یا زندانی جن کو جانوں کے لالے تھے۔ انعام واکرام سے مالا مال ہو رہے ہیں۔ ٹھیک دس بجے توپ کی آواز نے اعلان کیا۔ کہ دولہا سجدۂ آتش سے فارغ ہو گیا۔ اور اب قصر ایبلا کا رخ ہے۔

ایبلا اب تک شب خوابی کے لباس میں گم سم اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ کہ شاہ میڈیا اندر داخل ہوا۔ اور کہا۔

"پیاری ایبلا۔ تم کو اچھی طرح معلوم ہے۔ کہ اب دنیا میں مجھ کو تم سے زیادہ عزیز کچھ نہیں۔ زندگی کے جو دن باقی ہیں۔ وہ صرف اسی طرح خوشی سے گزر سکتے ہیں۔ کہ میں تم کو خوش دیکھوں۔ میرے خیال میں فیلوکس جیسے جلیل القدر فرمانروا سے بہتر شوہر تمہیں میسر نہیں آسکتا۔ جو ہر اعتبار سے قابل ہے لیکن میں شن بھی رہا ہوں۔ اور دیکھ بھی۔ کہ میری یہ رضامندی جس میں بہت بڑی مصلحت شامل ہے۔ تم کو خوش نہ کر سکی۔ فیلوکس جیسا شہزادہ ہمارے خواب میں بھی نہیں آسکتا۔ رسم گل ادا ہونے کا وقت آگیا۔ اور اب تک تم سر جھاڑ منہ پھاڑ بیٹھی ہو۔ اٹھو غسل کرو عروسی لباس سے آراستہ ہو۔ ورنہ سیستانی دم بھر میں ہمارا مزاج درست کر دیں گے۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ میں زبان دے چکا ہوں۔ اور اب کوئی طاقت اس اقرار کو توڑ نہیں سکتی"۔

ایبلا کی نگاہ نیچی تھی۔ اس کی زبان سے ایک حرف نہ نکلتا تھا۔ ایک تصویر تھی۔ کہ ساکت۔ ایک پتھر تھا جو خاموش۔ ایک انسان تھا جو بے حس۔ ایک عورت تھی جو گم سم سامنے کھڑی تھی۔ آنکھ

ہیں آنسو نہ تھا۔ لب پر آہ نہ تھی۔ بدن میں جان نہ تھی۔ منہ میں زبان نہ تھی۔ ہاتھ پاؤں میں سکت نہ بدن میں حرکت + میڈیا کے اشارے سے لونڈیوں نے زلف سیہ کے ناگ لہرا دئے۔ اور غسل خانے میں لے گئیں۔ عروسی جوڑا پہنایا گیا۔ اور پھولوں کی افشاں سر سے پاؤں تک کر دی گئی۔ توقع تھی خیال تھا۔ اُمید تھی۔ رائے تھی۔ کہ یہ آرائش حسن کو اور بھی ترقی دے گی۔ مگر ہر پھول خجل تھا۔ سیلیو کے کاسنی مائل گلابی پھول جھوم جھوم کر رُخ نازک پر قربان ہو رہے تھے۔ بسنتی جوڑے نے یہ دکھا کر اور بھی غضب ڈھایا۔ کہ مصنوعی پھولوں میں ایک حقیقی پھول کھلا ہے جس کا ہر عضو پنکھڑی ہے۔ تخت گل پر آکر ملکہ کا بیٹھنا تھا۔ کہ ہر آنکھ سناٹے میں رہ گئی +

رسم گل ایرانیوں میں ایک پرانی رسم تھی۔ اُسے خواہ خطبہ نکاح سمجھو یا منڈھے کے پھیرے دلہن بن ٹھن کر دولہا کے سامنے پیش ہوتی تھی۔ اور دولہا اپنے ہاتھ سے ایک سرخ پھول دلہن کے بالوں میں لگاتا تھا۔ ملکہ کے داخل ہوتے ہی نقارے پر چوٹ پڑی۔ ابھی ہوا اس آواز کے اثر کو آغوش میں لئے ہوئے تھی۔ کہ لوگ حیران و پریشان حواس باختہ آئے۔ اور اطلاع دی۔ کہ سیلوم ایک لشکر جرار کے ساتھ حملہ آور ہوا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ جب تک ملکہ بلند اقبال کو قبضے میں نہ کر لیں۔ واپس نہ جائیں گے + شامیانۂ عروسی میں مُردنی چھا گئی۔ فوج کے متفرق دستے جو نوشہ کی سلامی کے واسطے مختلف مقامات پر رنگ برنگ کی وردیاں پہنے کھڑے تھے۔ صدائے خطرہ کے ذریعے سے جمع کئے گئے۔ اور مسلح ہونے کا حکم ہوا + فوج کو تیار کرنے کے بعد میڈیا خود میدان میں آیا۔ سیستان اور ماژندران کی متفقہ فوج نے سیلوم کا جی کھول کر مقابلہ کیا۔ شام تک لڑائی جاری رہی۔ اور ہزارہا آدمی جو شادی کی خوشی میں باغ باغ تھے۔ کام آئے + لڑائی ملکی یا قومی نہ تھی۔ یہ وہ لڑائی تھی۔ جو تاریخ میں "جنگ حسن" کے نام سے مشہور ہے۔ سیلوم باواز بلند کہہ رہا تھا۔ کہ سلطنت راکھ کا ڈھیر اور خاک کا تودہ ہو جائے۔ مگر ابیلا ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ سیستان اور ماژندران کا خیال تھا کہ چاہے کشتوں کے پشتے اور لاشوں کے ڈھیر لگ جائیں۔ مگر ملکہ نہ دینگے۔ شام کے اندھیرے نے دونوں کو خاموش کر دیا۔ تو میڈیا نے پیام بھیجا "کہ فرمانروائے ماژندران ملکہ ابیلا جس کے عہد میں شیر بکری ایک گھاٹ پانی پی رہے ہیں۔ شہزادہ فیلوکس کی بیوی بن چکی ہے۔ اب جنگ فضول ہے۔ اب لڑائی ناموس کی ہے۔ اور دونوں سلطنتیں اپنے فرمانرواؤں پر پسینے کی جگہ خون بہا دیں گی + ہم کو اس جنگ میں بفرض محال شکست بھی ہوئی۔ تو میں پہلا شخص ہوں گا۔ جو حسن کی اس پتلی کو باپ بن کر خاک و خون میں لٹا دوں گا" +

سیلوم نشہ شجاعت میں سرشار اور شمع حسن پر پروانہ وار نثار تھا۔ مطلق پروا نہ کی۔ اور پانچ روز تک خونریز جنگ جاری رہی۔ آدمیوں کے خون بھیڑ بکریوں کی طرح بہ گئے۔ چھٹے روز غروب آفتاب سے قبل سیلوم نے ایک جان توڑ حملہ کیا۔ اور اس جرأت سے کہ گو ماژندرانیوں اور سیستانیوں نے روکنے میں کسر نہ چھوڑی۔ پھر بھی دشمن سر پر آگیا۔ اور دست بدست لڑائی شروع ہوئی۔ اس وقت ایبلا میدان جنگ میں موجود تھی جس نے نہ صرف اپنی ہی فوج کا دل بڑھایا بلکہ سیلوم کی آتشِ عشق کو بھی اور بھڑکا دیا۔ بالآخر سیستانیوں کے پاؤں اکھڑے۔ اور ان کے ساتھ ہی ماژندرانی بھی پیچھے ہٹے۔ دشمن فتح کے نعرے لگاتا ہُوا شہر میں داخل ہُوا۔ اور حکم دیا۔ کہ شہزادی زندہ گرفتار کی جائے + یہ سُنتے ہی ملکہ نے خنجر آب دار میان سے نکالا۔ اور صرف اتنی آواز سُنائی دی +

"یہ خنجر تیری آرزوؤں کا خاتمہ کرتا ہے"

فقرے کا آخری لفظ ختم نہ ہُوا تھا۔ کہ ماژندرانیوں میں سے ایک نقاب پوش سوار آگے بڑھا۔ اور ایسا ہاتھ تلوار کا دیا۔ کہ سیلوم کی گردن نیچے آپڑی۔ بھاگی ہوئی فوج یہ رنگ دیکھ کر پھر پلٹی۔ سیلوم کے قتل ہوتے ہی اس کی فوج کے جی چھوٹ گئے۔ اور ایسے بھاگے۔ کہ پھر پلٹ کر نہ دیکھا + نقاب پوش سوار نے ایک پرچہ شہزادی کو دیا۔ اس وقت ملکہ صرف اتنا دیکھ سکی۔ کہ سوار کی اُنگلیاں کٹی ہوئی ہیں۔ پرچہ پڑھا۔ تو خون سے یہ لکھا ہُوا تھا۔

"ملکہ ایبلا کو ماژندران کے ساتھ سیستان کی سلطنت بھی مُبارک ہو"

(۱۱)

اس رات کے ختم ہوتے ہی جس نے قادسیہ میں عارضی طور پر جنگ ملتوی کر دی تھی مُسلمانوں نے نماز فجر اس زور شور سے ادا کی۔ کہ نعرۂ توحید سے میدان گونج اُٹھا۔ صُبح کا سہانا سماں قادسیہ کا سرسبز و شاداب قطعہ حنظلہ جیسا خوش الحان امام۔ سورہ طٰہٰ کا پہلا رکوع۔ اسلام کی حقانیت پر ہر ذرّہ زمین لبیک کہ رہا تھا۔ نماز سے فراغت پاکر شہداء کے دفن کی تیاریاں ہونے لگیں زخمی عورتوں کے سپرد کئے گئے۔ کہ وہ مرہم پٹی کریں۔ اور فوج میدان میں آکر جمع ہوئی۔ سامنے سے ایک غبار اُٹھا۔ معلوم ہُوا۔ کہ مسلمانوں کی امدادی فوج شام سے آئی ہے۔ اور امیرالمومنین کا حکم ہے۔ کہ ربیعہ اور حضر کے جنگ جو قبیلے فوراً سعد کی مدد کو روانہ ہو جائیں۔ اس فوج پر ہاشم سپہ سالار مقرر ہوئے۔ ہراول پر قعقاع کی تعیناتی ہوئی۔ اور لڑائی شروع ہوئی + حسب دستور

پہلے شخصی لڑائیاں ہوئیں۔ سب سے پہلے بہمن مقابلے کو نکلا۔ اور آواز دی۔ کہ مسلمانوں میں جو سب سے زیادہ شجاع ہو۔ وہ میرے سامنے آئے۔ قعقاع سامنے گئے۔ دیر تک طاقت آزمائی ہوتی رہی آخر بہمن قتل ہوا۔ اس کے بعد بزرجمہر ہمدانی جوش و خروش سے سامنے آیا۔ مگر قعقاع نے اس کو بھی قتل کیا۔ اب رستم تاب نہ لا سکا۔ اور یکلخت حملے کا حکم دیا جس کا مقابلہ مسلمانوں نے بہت اچھی طرح کیا۔ مگر ہاتھیوں کی فوج بلائے بے درمان کی طرح آپڑی۔ اس وقت سعد نے یہ تدبیر سوچی۔ کہ اونٹوں پر کالے کالے کپڑے ڈال کر مہیب صورت بنا دیا۔ معرکہ زور شور سے جاری تھا۔ کہ امیر المومنین کا قاصد پہنچا۔ اور کہا۔ یہ بیش قیمت گھوڑے اور منتخب تلواریں امیر المومنین نے صرف ان لوگوں کو دی ہیں۔ جو ان کے مستحق ہیں۔ حمال بن مالک۔ ابیل بن عمرو۔ طلیحہ بن خویلد۔ عاصم بن عمر نے یہ تلواریں اٹھا لیں۔ اور جس طرف رخ کیا کھلبلی ڈال دی۔ خنساء مشہور شاعرہ بھی موقع پر موجود تھی۔ اور اپنی موثر نظم سے چاروں لڑکوں کے دل بڑھا رہی تھی۔ معرکہ دن بھر رہا۔ دونوں ٹوٹ ٹوٹ کر لڑے۔ مگر فیصلہ نہ ہو سکا۔ رات ختم ہوئی۔ تو وہ دن آیا۔ جو یوم العماس کے نام سے مشہور ہے۔ آج ہشام مع سات سو سواروں کے مسلمانوں کی مدد کو آئے۔ ادھر ٹڈی دل فوجیں ایرانیوں کی اعانت کو امڈی چلی آتی تھیں۔ جب لڑائی شروع ہوئی۔ اور ایرانیوں نے کسی طرح قدم پیچھے نہ ہٹایا۔ تو عمرو معدی کرب نے باآواز بلند کہا "مسلمانو! میں آگے بڑھتا ہوں۔ چلو میرے ساتھ چلو۔ میں اگر مارا گیا۔ تو یاد رکھو۔ اب تم میں دوسرا معدی کرب پیدا نہ ہوگا" ان کا آگے بڑھنا تھا۔ کہ فوج پیچھے ہوئی۔ ایرانی دستے بھی فوراً ٹوٹ پڑے۔ اور اس قدر غبار بلند ہوا کہ معدی کرب خاک میں چھپ گئے۔ گو ان کا بدن زخمی ہو گیا تھا۔ برچھے اور نیزے برابر پڑ رہے تھے۔ مگر ہمت میں فرق نہ آتا تھا۔ وہ اور ان کی ہمراہی فوج اس وقت تک نہ ٹلی۔ جب تک ایرانیوں کو پیچھے نہ ہٹا لیا۔ اس وقت رستم نے تیر اندازی کا حکم دیا۔ قعقاع یہ دیکھ کر آگے بڑھے۔ ان کے ساتھ ہی اسد بجیلہ اور کندہ کے قبیلے بھی دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ ایرانیوں کا نائب سپہ سالار ابیض کام آیا۔ رستم ایک تخت پر بیٹھا احکام جاری کر رہا تھا۔ مسلمانوں کی ہمت دیکھ کر اس کا جی چھوٹ گیا۔ اور حکم دیا۔ کہ ایک ساتھ ہاتھیوں کا حملہ کرو۔ ایرانیوں کا ایک رسالہ جو سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہاتھیوں کو لے کر آگے بڑھا۔ ہر چند مسلمانوں نے کوشش کی۔ مگر ہاتھی سامنے سے نہ ہٹے۔ قبیلہ حنیفہ کا ایک سردار یہ کیفیت دیکھ کر آگے بڑھا۔ اور برچھے کا حملہ ایک ایرانی سوار پر ایسا کیا۔ کہ لوہے کو چیرتا ہوا باہر نکل گیا۔ اب مسلمان اور شیر ہو گئے۔ اور جو ہاتھی

کی ہیبت سے پیچھے ہٹے تھے۔ وہ بھی ہٹے۔ اور سواروں پر گرے۔ گھمسان کا رن تھا۔ مگر وقت مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ تمام رسالہ غارت ہوگیا + شام ہو چکی تھی۔ اور قاعدے کے موافق اب لڑائی ملتوی ہونی چاہئے تھی۔ مگر سعد نے حکم دیا۔ کہ لڑائی کا فیصلہ آج ہی ہوگا۔ گو فوج تھکی ہاری چکنا چور تھی مگر تلواریں لے چل گئی۔ اور بڑھتی ہوئی رستم تک پہنچی۔ رستم بھاگا۔ اور لشکر کو از سر نو ترتیب دیا۔ رات بھر لڑائی رہی۔ مگر مسلمان آگے بڑھتے جاتے تھے۔ رستم کو شکست کا یقین ہوگیا۔ اور دریا میں جا کر کود پڑا۔ کہ بھاگ کر اپنی جان بچائے۔ ہلال بن علقمہ بھی ساتھ ہی کود ے۔ نکال کر لائے۔ اور سب کے سامنے اس کا سر کاٹ کر نیزے پر بلند کیا +

(۱۳)

سینتان کا کونہ کونہ نہ صرف فتح بلکہ فتح اور حصول ملکہ کی خوشی میں منہ سے بول رہا ہے۔ فرحت و انبساط کی جھڑیاں لگ رہی ہیں۔ بے فکری کا مینہ برس رہا ہے۔ اور شادمانی در و دیوار سے ٹپک رہی ہے۔ رات کا ابتدائی وقت ہے۔ اور ملکہ ابیلا لباس عروسی سے مزین محل شاہی میں بیٹھی ہے۔ سر سے پاؤں تک جواہرات میں غرق۔ زیوروں میں لدی۔ پھولوں میں بسی۔ دیبا سے آراستہ حریر سے پیراستہ۔ ایک دریائے نور ہے۔ جو اس کی ہستی سے اُبل رہا ہے۔ فیلوکس دیوانہ وار جھوم جھوم کر اس کی صورت پر قربان ہو رہا ہے کبھی اس کے قدموں سے آنکھیں ملتا ہے کبھی اس کے پاؤں کو سجدہ کرتا ہے۔ چکور کی طرح نثار ہوتا ہُوا قریب پہنچا۔ اور کہا۔

مجھ سے زیادہ خوش نصیب دُنیا میں کون ہوگا۔ کہ اس دولت و حکومت کے ساتھ اس صُورت سے میرا محل۔ میری زندگی میرا دل میری عمر جگمگا اُٹھی" +

ابیلا۔ میں خود نہایت خوش نصیب ہوں۔ بلکہ تم سے زیادہ۔ کہ ہر قسم کے جھگڑوں سے محفوظ ہو کر اطمینان سے آ بیٹھی +

فیلوکس۔ اجازت دو۔ کہ اس چاند سے چہرے کو کسی طرح اپنے دل میں رکھ لوں۔ کیوں پیاری ابیلا۔ کیا یہ ممکن ہے؟

ابیلا۔ ہاں۔ ممکن تو ہے۔ مگر..........

فیلوکس۔ ہاں ہاں مگر کیا۔ جلدی کہو۔

ابیلا...........

فیلوکس۔ یہ خموشی کیسی؟ جلد کہو۔

ابیلا.........

فیلوکس۔ پیاری ابیلا۔ میں اس خموشی کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ یہ مگر کیا؟ جلد کہو۔

ابیلا۔ کیا عرض کروں۔ اگر تم میری ایک درخواست قبول کرو۔ تو میں تمہارا احسان ہمیشہ یاد رکھونگی

فیلوکس۔ درخواست! اس منہ سے!! توبہ توبہ یوں کہو۔ میرے حکم کی تعمیل کرو۔

ابیلا۔ اچھا یوں سہی۔

فیلوکس۔ ہاں بسر و چشم! حکم؟

ابیلا۔ منظوری کا وعدہ کرو۔

فیلوکس۔ ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ یہ زبان یہ جسم یہ دل یہ دولت یہ حکومت کس کی؟ سب ملکہ ابیلا کی ہیں۔ فیلوکس غلام۔ ابیلا کا غلام۔ اس کے نام کا غلام۔

ابیلا۔ مجھے آج رات کو شرکتِ جشن سے معاف فرمائیے۔ صرف تین ماہ کی مہلت دیجئے۔ اس کے بعد میں تمہاری اور تم میرے۔

فیلوکس۔ وجہ؟ سبب؟ باعث؟ کیوں مطلب کیا ہے؟

ابیلا۔ مطلب کچھ نہیں۔ ایک درخواست ہے۔

فیلوکس نے شراب کا ایک پیالہ پیا۔ دو پئے تین پئے۔ اور آگے بڑھ کر ابیلا کا ہاتھ کھینچتا تھا کہ خنجر روشنی میں چمکا۔

ابیلا۔ تم نے اگر میری درخواست منظور نہ کی۔ اور مجھ کو ہاتھ لگانے کی کوشش کی۔ تو میں اپنا کام تمام کر لوں گی۔

فیلوکس نے جلدی سے ابیلا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ خنجر گھسیٹتا تھا۔ کہ ابیلا نے زور کیا۔ اور ایک انگل سے زیادہ زخم سینے میں لگا۔ عروسی لباس خون میں آلودہ ہوا۔ مگر اس پر بھی فیلوکس کا جوش لمحہ بہ لمحہ ترقی کر رہا تھا۔ وہ پھر آگے بڑھا۔ تو ملکہ نے اسے جھڑک دیا۔ "خبردار۔ اس خیال سے آگے نہ بڑھو"۔

منت سماجت درخواست التجا ہر ممکن کوشش سے فیلوکس نے کام لیا۔ مگر جب یہ یقین ہو گیا کہ یہ بت کسی طرح رام ہونے والا نہیں۔ اور گھی سیدھی انگلیوں نہ نکلے گا۔ تو برابر کے کمرے سے ہفت سالہ معصوم بھائی کو سامنے کھڑا کر دیا۔ اور کہا۔ کہ اس وقت اس بھائی کی۔ اور صبح تیرے باپ کی گردن تیرے سامنے اڑا دوں گا۔ اگر اب بھی تو اپنی ہٹ پر قائم ہے۔ تو شہریار کا خون تیرے

دامن پر اور باپ کا عذاب تیری گردن پر ہوگا ۔

ابیلا کا یہ چھوٹا بھائی شہریار جس کی عمر چھ سات برس کی تھی۔ بہ ظاہر شریک تاج و تخت تھا مگر ملکہ اس کے نام کی دیوانی اور صورت کی شیدا تھی۔ بھائی کی صورت دیکھتے ہی بے چین ہوگئی بیتاب ہوکر جھپٹی اور فوراً گود میں اٹھا لیا۔ مگر فیلوکس نے بچے کو چھین کر الگ کھڑا کر دیا۔ اور کہا "کہ یہی خنجر جس سے تو اپنا کام تمام کرتی ہے۔ اور جس کی بدولت تو زخمی ہوئی۔ اب اس بچے کا خاتمہ کرنا ہے۔ اس کا زخم تجھ سے گہرا۔ اس کی تکلیف تجھ سے زیادہ اور اس کا خون تجھ سے بہت زیادہ ہوگا اب بھی انکار سے باز آ اور شریک جشن ہو کر سیستان کا تاج اپنے سر پر رکھ" ۔

ابیلا۔ میں صرف تین ماہ کی مہلت چاہتی ہوں ۔

فیلوکس۔ نہیں ایک لمحہ کی نہیں ۔

ابیلا۔ اچھا تو یہ خنجر مجھ کو دے ۔

فیلوکس نے طیش میں آکر شہریار کو ادھر ایک ہاتھ سے اٹھا لیا۔ ابیلا ظالم کے قدموں پر گری اور کہا "ایک جری اور منصف مزاج حکمران کے عدل سے ایک بے گناہ بچے کا قتل جو مہمان ہو بہت بعید ہے۔ میں اس وقت صرف تیرے رحم کی ملتجی ہوں" ۔

فیلوکس نے سنگ دلی سے ابیلا کو جھٹک دیا۔ اور جن نگاہوں سے عشق و محبت کا مدعی تھا اُن سے خون ٹپکنے لگا ۔

فیلوکس۔ اس کی رہائی صرف تیرے اقرار پر منحصر ہے۔ اور کچھ نہیں چل شریک جشن ہو۔ میری خوابگاہ کو منور اور میرے دل کو خوش کر جو مدتوں سے منتظر و مضطرب ہیں ۔

ابیلا۔ ہاں ہاں۔ یہ وقت بھی آجائے گا۔ مہلت کا زمانہ زیادہ نہیں۔ تین مہینے آنکھ بند کر کے نکل جائیں گے۔ اور تمہارا اس وقت کا کرم ہمیشہ مجھ کو یاد رہے گا ۔

فیلوکس نے خنجر کو حرکت دی۔ تیز روشنی میں خونخوار دھار چمکی۔ یہ ایک بجلی تھی۔ جو ابیلا کے دل پر گری۔ وہ بے قرار ہو کر بھائی سے لپٹ گئی۔ اور اس کو اپنی پیٹھ کے پیچھے کھڑا کر لیا۔ اور کہا "اس سے پہلے میرا کام پورا کر دو۔ اگر وہ احسان نہیں ہو سکتا۔ تو یہی منظور کرو ۔

فیلوکس۔ ہٹ جا۔ پرے ہٹ۔ اس انکار سے تجھ کو بھائی کا قتل باپ کی موت اپنی قید وطن کی بربادی رعیت کی تباہی بہت کچھ دیکھنا ہے۔ اب بھی اپنی حرکت سے باز آ۔ اور یہ گلاس لے جشن میں چل ۔

ابیلا۔ صرف تین مہینے!

اب فیلوکس نے بچے کو گھسیٹ لیا۔ شہریار بلک کر بہن کو لپٹا۔ فیلوکس کو چمٹا۔ مگر سنگ دل کسی طرح نہ پسیجا۔ آخری منظر وہ بھی تھا۔ کہ ابیلا فیلوکس کے قدموں پر پڑی ہوئی یہ کہہ رہی تھی۔ کہ مجھ کو یہ نہ دکھاؤ۔ مگر فیلوکس نے ابیلا کا سر ٹھکرا دیا۔ اور پھر وہی شرط پیش کی۔ لیکن اب بھی وہی تین مہینے کی صدا لب نازک سے نکلی۔ تو بے دردی نے بچے کی گردن پکڑ لی۔ اور اس زور سے گلا دبایا۔ کہ آواز بند ہو گئی۔ بول نہ سکتا تھا۔ مگر نگاہ اس تکلیف و اذیت کی فریاد بہن کی آنکھوں سے کر رہی تھی۔

محبت کے جوش نے ابیلا کو بے تاب کر دیا۔ اس نے کوشش کی۔ کہ بھائی کو ظالم کے پنجے سے چھڑائے۔ مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ شہریار کی آنکھیں گلا گھٹنے سے نکلی پڑتی تھیں۔ اور بہن مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔ ایک دفعہ اور منت کی اور کہا۔ "اچھا۔ اس کو چھوڑ دے"۔

فیلوکس خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ بچے کو چھوڑا۔ اور وہی ہاتھ ابیلا کی گردن میں ڈالدئے۔

ابیلا۔ دور ہو کم بخت ظالم دور ہو۔ چل قتل کر۔ اگر یہی خوشی ہے۔ تو کر دے۔ مگر پہلے مجھ کو۔

فیلوکس۔ تجھ کو نہیں اس کو۔

ابیلا۔ اس کو اور مجھ کو دونوں کو۔

فیلوکس۔ اس کو اور اس کے باپ کو۔

اب فیلوکس کے طیش کی انتہا نہ تھی۔ وہ شیر کی طرح جھپٹا۔ اور اس معصوم بچے کے کلیجے میں خنجر بھونک دیا۔ خون کا فوارہ چھوٹ گیا۔ اور لاش زمین پر تڑپنے لگی۔ ابیلا نے بھائی کا خون سر پر ڈالا۔ اور لاش گود میں لے کر ایک چیخ مار بے ہوش ہو گئی۔

(۱۳)

مسلمانوں کا ایک جم غفیر اس غرض سے جمع ہے۔ کہ عنقریب امیر المومنین کوئی حکم صادر فرمانے والے ہیں۔ لوگ بے تابانہ منہ تک رہے ہیں۔ اور مضطرب ہیں۔ کہ نہ معلوم ایسی کیا ضرورت پیش آئی۔ کہ ہم سب جمع کئے گئے۔ مختلف لوگ مختلف رائیں دے رہے ہیں۔ کوئی کچھ سمجھ رہا ہے۔ کوئی آخر امیر المومنین نے باآواز بلند فرمایا۔

بھائیو۔ تم کو معلوم ہے۔ کہ تمہارے بھائی کس ہمت اور شجاعت سے مشرکوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ میں نے ان کو ہدایت کر دی ہے۔ کہ ہر جگہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے وہ اتمام حجت کر لیا

کہ مخلوقِ خدا کی غارت گری کا الزام اسلام پر نہ آئے + اب ایک سخت معرکہ درپیش ہے۔ دُعا کرو کہ خُدا اسلام کو فتح دے + ہمیں نے جو پیغام یزدگرد کو بھیجا ہے۔ وہ یہ ہے "مسلمانوں کی اس جمعیت کا منشا جو اس وقت تمہارے ہاں پڑی ہوئی ہے۔ ہرگز فتنہ و فساد نہیں۔ تم اپنے ملک میں شاد و آباد رہو ہم کو تمہاری سلطنت سے واسطہ نہ حکومت سے غرض۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے۔ کہ تم کو خدائے وحدۂ لاشریک کی طرف بلائیں۔ اور تم جو اب تک مخلوق کو خالق سمجھ رہے ہو۔ گمراہی سے نکل کر صراطِ مستقیم پر آجاؤ۔ تم کو اچھی طرح معلوم ہے۔ کہ بڑے بڑے جلیل القدر بادشاہ جنہوں نے خدائی کے دعوے کئے جتیں بنوائیں۔ اپنے اپنے راگ گا کر اس ناپائدار دُنیا سے رخصت ہوئے۔ اور جب موت کا فرشتہ سر پر آپہنچا۔ تو چپکے سے ساتھ ہو لئے۔ ان کی دُنیا ختم ہوگئی۔ ان کی بہاریں مٹ گئیں ان کے چمن اُجڑ گئے۔ اور آج وہ اس مقام پر ہیں۔ جہاں صبح کا نشان ہے نہ شام کا طعام۔ فوج ہے نہ فرا۔ سرکار ہے نہ دربار۔ مسلسل زندگی ہے۔ اور مستقل مستقر۔ کاٹ رہے ہیں جو بو گئے۔ اور لے رہے ہیں جو دے گئے + ہم قزاق ہیں نہ لٹیرے۔ اُچکے ہیں۔ نہ رہزن۔ خدا کے گنہ گار بندے۔ اور اسلام کے عاشقِ زار غلام۔ تم کو بتاتے ہیں۔ کہ عذابِ قیامت سے ڈر کر جو اٹل ہے۔ تم کو سمجھاتے ہیں کہ خوفِ خدا سے خوف کھا کر جو برحق ہے۔ راہ راست پر آو۔ ہمارا ہاتھ بٹاؤ۔ ہمارا ساتھ دو۔ چلو اس راستہ پر جو سیدھا اور داخل ہو اس مذہب میں جو برحق۔ پرستش کرو اُس خُدا کی جو اللہ الصمد اور پیروی اس کے نام کی جس کا نام محمدؐ۔

ہمارا پاک مذہب ہے خزینۂ دُنیا کی نعمتوں کا اور گنجینۂ عقبےٰ کی برکتوں کا۔ زندگی اس میں راحت اور موت اس میں جنت چھوڑ و ان لغویات کو جو کر رہے ہو۔ اور باز آؤ۔ ان ہزلیات سے جن میں پھنسے ہو۔ لطف اٹھاؤ جینے کا اور توقع رکھو عاقبت کی۔ آزاد رہو۔ اور بامُراد جاؤ +

(۱۴)

"تجھ جیسی نافرمان لڑکی۔ تجھ جیسی جفا کار عورت جس کا میں پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دیتا۔ اور اُف نہ کرتا جس کو پیوندِ زمین کر دیتا اور آہ نہ کرتا۔ اس دُنیا میں پہلی مثال ہے۔ یہ سر جس پر میں نے اپنی زندگی میں دستورِ دنیا کے خلاف اپنے ہاتھ سے اپنی خواہش کے مطابق تاجِ شاہی رکھا اس وقت خاک و خون میں اٹ رہا ہے + یہ تیرا نازک جسم جو پھول سے زیادہ نرم و نازک تھا۔ محض تیری نالائقی اور ناہنجاری سے کانٹوں میں گھسٹ رہا ہے + میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ آنکھیں جس نے ایران میں بجلیاں گرائیں۔ اب ان سے خون کے آنسو گر رہے ہیں + میں صرف تیری وجہ

سے پابجولاں ہُوں۔ مجھے معلوم نہ تھا۔کہ تو ایسی سیہ کار وجفا شعار ہے۔ مجھے خبر نہ تھی۔کہ تو بھائی کی قاتل اور باپ کے خون کی پیاسی ہے۔ تیری ہٹ کی حد۔تیری ضد کی انتہا۔تیری غلطی کا انجام تیری بدکرداری کا اختتام ہوچکا۔ اور یہ وہ وقت ہے۔کہ جو سر کسی کے رُوبرو نہیں جُھکا۔ اب خون میں لوٹے گا۔ باز آ اب بھی ان حرکتوں سے۔ درگزر کر اب بھی ان بیہودگیوں سے شریک جشن ہو اُس کے ساتھ جس کا نام فیلوکس ہے۔ اور خوش کر اس کو جو تیرا شوہر ہے"+

(میڈیا)

"اے زہر میں بُجھی ہوئی چُھری۔ دغا میں اٹی ہوئی عورت۔کمینے انسان پر فریفتہ ہونے والی لونڈی بدنصیب بھائی کو ہیٹ چکی۔ اب اس بڈھے باپ کی مصیبت پر رو جس کے سر پر موت کھیل رہی ہے۔کس کو معلوم تھا۔کہ تیرے نازک دل میں پتھر کے شرارے اور لوہے کے انگارے موجود ہیں اور تو ایک سلطنت کے مقابلے میں ایک ٹھیکرے کو ترجیح دے گی۔ ہیں اب بھی اتنی قدرت رکھتا ہوں۔کہ تیری کلفت کو فرحت سے اور تیری مصیبت کو راحت سے بدل دُوں۔ اس سر پہ اترنداں کا تاج ہوگا۔ ان ہاتھوں میں سیستان کا راج ہوگا۔ تاراج ہوچکی۔ بربادی دیکھ لی۔ اب جوانی کی بہار دیکھ۔ شادمانی تیرے گھر کی کنیز اور جشن تیرے گھر کا غلام ہوگا۔ اپنی اذیت کو عشرت سے باپ کی موت کو راحت سے بدلوا اور بہاں کرلے"+

(فیلوکس)

معصوم بھائی کا قتل یہ آنکھیں دیکھ چکیں۔ بڑھے باپ کی موت یہ آنکھیں دیکھنے کو تیار ہیں۔ مگر تیری ذلیل خواہش۔ تیرا ناپاک ارادہ یہ دل پُورا کرنے کو آمادہ نہیں۔کمینہ تو ہے ٹھکرا دُ تو۔کہ ایک شخص کو اس کی غیبت میں ایک انسان کو جو انجان ہے۔ اس طرح بُرا کہتا ہے۔ سامنے سے دُور ہو غارت ہوجا۔ اس دل میں نور ہے۔ ان آنکھوں میں سرُور ہے۔ ان ارادوں میں انسانیت ان خواہشوں میں صداقت۔کم بخت۔ ان الفاظ کی وقعت کر۔ اس خیال کی عزت کر۔ تیری خواہش جھوٹی۔ تیرا ارمان فریب۔ تیری امید مکر۔ تیرا وعدہ دغا۔ تو نفس کا بندہ خواہش کا غلام۔ دُور ہوجا۔ تجھ کو سلام تیری سلطنت کو سلام!

جن آنکھوں کا فریفتہ تھا۔ ان کو رُلا کر جس صُورت کا شیدا تھا۔ اُس کو خاک میں ملا کر جس دل کا متمنی تھا۔ اس کو بھائی کا قتل دکھا کر اب بھی محبت کا طالب اور عشق کا مدعی۔ قتل کر مگر مجھ کو جان لے لیکن بیری۔ جلدی کر اور اپنی مکروہ صُورت مجھے نہ دکھا+

(ابیلا)

آفتاب طلوع ہوچکا ہے۔ قتل سیستان میں سلطح فوج کھڑی ہے۔ جب یہ تینوں میڈیا فیلوکس

اور ایبلا کہ چیخے۔ تو فیلوکس طیش میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ میڈیا گرفتار ہے۔ اور ایبلا خستہ و خوار۔ کچھ دیر تامل کے بعد فیلوکس نے جلّاد کو اشارہ کیا۔ اور تیغ آب دار میان سے باہر نکلی۔ بڈھے باپ نے حسرت آمیز نظروں سے ایک دفعہ اور بیٹی کی طرف دیکھا۔ مگر وہ آنکھیں جن میں محبت کے ڈورے موجود تھے جن میں خلوص کا دریا لہریں لے رہا تھا۔ باپ کی ترغیب پر آمادہ نہ ہوئیں + جلاد نے میڈیا کو وسط مقتل میں بٹھا دیا۔ اس وقت ایبلا فیلوکس کے قدموں میں گری۔ اور کہا "فیلوکس۔ یہ رحم کا وقت ہے میں بے گناہ ہوں۔ ایسی سخت سزا کی سزاوار نہیں۔ ایک ستم توڑ چکا اب دوسرا ظلم نہ ڈھا۔ میرا لخت جگر پیارا شہریار جو سات برس تک میری جان کے ساتھ رہا۔ تیرے حکم سے ہمیشہ ہمیشہ کو جدا ہو گیا۔ اس کا معصوم چہرہ خون میں اٹا اس کی بھولی آنکھیں قیامت کی نیند سوئیں۔ میں اب بھی اس مقتل میں بھی اس بھیڑ میں اس کی صورت ڈھونڈ رہی ہوں۔ لیکن وہ میری کوشش سے تیرے حکم سے کسی تجویز سے اور کسی طاقت سے اب ملنے والی نہیں۔ اب تو دوسری مصیبت ڈالتا ہے۔ رحم کر فیلوکس رحم کر مجھ کو یہ نہ دکھا جو دکھانا چاہتا ہے" +

فیلوکس۔ یہ التجائیں فضول یہ درخواستیں بیکار خوشامد بے سود اور منت بے فائدہ۔ اگر باپ کی رہائی منظور ہے۔ تو شرکت جشن کا اقرار کر جس طرح میڈیا کی جان میرے قبضۂ قدرت میں ہے اسی طرح اس مصیبت کو راحت سے بدل دینا تیرے اختیار میں۔ تو اگر چاہے۔ تو یہ مقتل ابھی گلزار ہو سکتا ہے شہریار مر چکا۔ مگر میڈیا زندہ ہے۔ اور اس کی زندگی اب صرف تیرے اقرار پر ہے۔ جو مجھ کو اور میری سلطنت کو تیرا غلام بنا دے گا +

ایبلا۔ رحم۔ رحم۔ رحم فیلوکس رحم۔ شہریار کا قتل تیرے دامن حیات پر وہ دھبہ ہے جو کسی طرح چھوٹ نہیں سکتا۔ مگر شاہ کی رہائی فیلوکس یقین کر شہریار کے خون کی تلافی ہوگی +

فیلوکس۔ لغو۔ فضول۔ اگر وعدہ کرتی ہے۔ تو کر۔ ورنہ نتیجہ دیکھ۔

ایبلا............ نہیں۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ میں باپ کے اس سر کو جو میری آنکھ کے سامنے ہے۔ اگر تن سے علیحدہ ہوگا۔ تو اپنے سر پر رکھوں گی۔ آنکھوں سے لگاؤں گی۔ تڑپوں گی اور تڑپ تڑپ کر مر جاؤں گی لیکن ارادے میں تزلزل۔ ہمت میں فرق۔ زبان میں تغیر۔ خیال میں تبدیلی ناممکن ہیں اس کی ہوں جس کی ہو چکی۔ اور رہوں گی اس کی جس کی ہوں۔ میں اقرار کی مختار نہیں۔ ملکیت ہوں ایک اور کی اور یہ دل میرا نہیں۔ امانت ہے ایک دوسرے کی.........

فیلوکس نے گردن کا اشارہ کیا۔ اور میڈیا کی گردن کئی گز کے فاصلے پر جا پڑی +

(۱۵)

ادھر قادسیہ کی فتح نے مسلمانوں میں ہمت وجرأت کی ایک نئی رُوح پھونکی۔ ادھر امیرالمومنین کے حوصلہ افزا پیام ومبارک باد نے اَور بھی دل بڑھائے۔ اور فتح کی خوشی دور ونزدیک منائی۔ اَور آگے بڑھے۔ ایرانیوں نے بھاگ کر بابلستان میں قیام کیا۔ یہاں محفوظ قلعے اور سنگین استحکامات موجود تھے۔ نصیری نامی سردار نے جو فن جنگ میں بے مثل تھا۔ اعلےٰ پیمانے پر لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ ازسرِنو فوج مرتب کی۔ اور چاروں طرف سے مدد لے کر ایک لاکھ کے قریب لشکر فراہم کر لیا اور قسم لی۔ کہ چاہے جائیں رہیں یا جائیں۔ مگر مسلمانوں سے بدلہ لئے بغیر قدم پیچھے نہ ہٹائیں گے +

مسلمان آندھی اور مینہ کی طرح کلمۂ توحید کے نعرے لگاتے ہوئے قادسیہ سے چلے۔ اور بابل کا رُخ کیا + متواتر شکستوں نے ایرانیوں کا جوش غیرت اَور بھی تیز کر دیا تھا۔ نصیری کو اتنی تاب نہ رہی۔ کہ وہ مسلمانوں کا انتظار کرتا۔ اپنی فوج لے کر آگے بڑھا۔ اور ہرس میں پہنچ کر دشمن کو روکا۔ گھمسان کا رن تھا۔ مسلمانوں نے ہرچند زور لگایا۔ مگر ایرانی قدم نہ ڈگمگائے۔ آخرکار سعد نے ایک زبردست حملہ نہایت بے جگری سے کیا۔ اور صرف اس لئے کہ کسی طرح قلب میں گھس کر میمنہ توڑ دے۔ مگر جس زور سے حملہ ہُوا۔ اس سے زیادہ زور سے مقابلہ ہُوا۔ ناکام ہو کر سعد واپس ہوئے + اب ایرانیوں کی ہمت بندھ گئی۔ اور اُنہوں نے کہا۔ کہ "یاد رکھو۔ اگر مسلمان بھاگ گئے۔ تو مکے اور مدینے تک کی سڑکیں ہمارے واسطے کھلی ہیں۔ جن لوگوں نے ہمارے ہزارہا بھائیوں کے خون بہائے۔ اور ہمارے گھر اجاڑے۔ ان سے بدلہ لینے کا اس سے اچھا موقع نہ ہوگا۔" یہ حملہ اتنا زبردست تھا۔ کہ ہرچند سعد نے روکا اور نشیب وفراز سمجھائے۔ مگر ایرانیوں نے میسرہ اُلٹ دیا + آفتاب ڈھل چکا تھا۔ لشکر کا یہ حال دیکھ کر سعد نے کہا۔ "جانتے ہو۔ یہ کیا وقت ہے؟ یہ نمازِ ظہر کا وقت ہے۔ مسلمان اس وقت خدائے برحق کی تسبیح میں مصروف ہوں گے۔ اور امیرالمومنین کا سر اس طاقتور ہستی کے رُوبرو جھکا ہوگا جس کو کبھی فنا نہیں۔ اور جس کے حضور میں حاضر ہو کر ہم کو ایک روز اپنا منہ دکھانا ہے۔ یہ میرا تمہارا یا امیرالمومنین کا کام نہیں۔ یہ اس قادر ذوالجلال کا کام ہے جس کے دربار میں اس وقت شہدا کی رُوحیں راج کر رہی ہیں۔ اسی کا نام لو۔ اور اسی کا کام انجام دو" +

سُنتے ہی مسلمان پھر سمٹے۔ بگڑے ہوئے سنورے۔ اُکھڑے ہوئے جمے اور چلتے ہوئے ٹھٹکے۔ نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اور حق حق کہتے ہوئے پلٹ پڑے۔ پورے چھ گھنٹے تلوار چلی۔ آفتاب غروب ہونے سے کچھ قبل نصیری کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اور وہ زخمی ہُوا۔ اس کا زخمی ہونا تھا۔ کہ ایرانیوں کے

چھوٹ گئے۔ اور انھوں نے بھاگنا شروع کیا۔ پہلے تو نصیری نے روکنا چاہا۔ مگر جب فوج نہ ٹھہری تو آپ بھی بھاگا۔ اور بابل میں جا کر قیام کیا ۔

(۱۶)

آ۔ میرے پیارے ہاتھ آ میں تجھ کو بوسہ دُوں۔ تُو وہ جس نے ان کٹی ہوئی انگلیوں پر پٹی باندھی۔ تو نے اس مُنہ پر ہاتھ پھیرا۔ جو میری نگاہوں سے چھُپ گیا۔ تو نے اس زخم پر پانی ڈالا۔ جس کو دیکھنے کے لئے تڑپ رہی ہُوں۔ آ۔ آ۔

میں یہ نہیں کہتی۔ کہ وہ بے وفا ہے۔ میں یہ نہیں سمجھتی۔ کہ وہ مجھے بھُول گیا۔ خبر نہیں کہاں ہو گا۔ کس حال میں کس رنگ میں۔ بے خبر نہیں مجبور۔ ناخوش نہیں معذور۔ مجھ سے دُور نہیں میرے پاس۔ مجھ سے الگ نہیں میرے ساتھ۔ مگر آہ......

ان آخری گھڑیوں میں قتل سے قبل رخصت سے پہلے ایک دفعہ ان ظاہری آنکھوں سے بھی وہ صُورت آور دیکھ لیتی۔ جی کی بھڑاس دل کا ارمان طبیعت کی اُمنگ نکالتی۔ پُورا کرتی مکمل کرتی۔ اس کے قدموں میں گرتی۔ اس کے پاؤں میں لوٹتی۔ اس چہرے کی پرستش کرتی۔ اس انسان کو سجدہ کرتی ۔

بجلی چمک رہی ہے۔ بادل کڑک رہا ہے۔ رات اندھیری ہے۔ کچھ خبر نہیں۔ قتل میں کتنی دیر باقی ہے۔ میری لاش کیا ہو گی۔ قبلوکس لے گا۔ نہیں۔ وہ تیری ملکیت ہے۔ اس کی بے حرمتی نہ ہو۔ بے وقعتی نہ ہونے پائے۔ یہ گناہ گار کی سزا اور کی بدکرداری کی سہی۔ مگر اس کی جو تجھ قصور نہیں نہیں تجھ پیارے پرنثار......

میں اس بجلی سے ہمیشہ ڈری۔ لیکن آج یہ میری مونس ہے۔ ان بادلوں سے سدا گھبرائی مگر اس وقت یہ میرے رفیق ہیں۔ میرا پیغام پہنچا دیں گے۔ میری خبر سُنا دیں گے۔ کہ ناکام ابیلا تیرے رُخ روشن پر............

سیستان کے اس خوفناک قلعے میں جہاں جاتے رستم و سہراب کے رہتے دہلتے تھے۔ ملکہ ابیلاتن تنہا قید اور علے الصباح قتل کا حکم ہے۔ رات اندھیری ہے۔ بجلی اور بادل اس کی مصیبت پر رو رہے ہیں۔ باپ کی موت بھائی کا قتل ماژندران کی ہر چیز دل سے محو ہے۔ وہ صرف ایک جلوۂ دیدار کی متمنی ہولناک قلعہ کی فصیل پر کھڑی خوفناک جنگل کو اس موقع پر دیکھ رہی ہے۔ کہ شاید وہ صورت اس اندھیرے میں اس جنگل میں کہیں نظر آجائے۔ بجلی اتنا پتہ

دے رہی ہے۔ کہ جہاں تک نظر جائے۔ ایک عالم سنسان ہے۔ دریا قلعہ کو اور قلعہ کے ساتھ اس لال کو گود میں لئے لہریں لے رہا ہے۔ گھبراتی ہے۔ مایوس ہوتی ہے چیختی ہے چلاتی ہے۔ اور خاموش ہو جاتی ہے۔

دفعتاً ایک پتھر نے جو سامنے آ کر پڑا۔ ہوش اڑا دئے۔ چاروں طرف نظر دوڑائی۔ کہ کہیں فیلوس نہ آیا ہو۔ تمنی تھی۔ کہ صبح ہو۔ چاہتی تھی۔ کہ آفتاب برآمد ہو۔ دعا کرتی تھی۔ کہ رات اپنا پردہ چاک کر کے میرا پردہ ڈھانک لے۔ کہ ایک پتھر اور آیا۔ حیران ہوئی۔ پریشان ہوئی۔ اِدھر دیکھا۔ اُدھر دیکھا۔ تیسرا پتھر اور آیا۔ یقین ہوا۔ کہ ظالم کے ہاتھوں کوئی اور مصیبت سر پر آئی۔ اور ایسی کہ قتل سے زیادہ اور موت سے بڑی۔ ارادہ کیا۔ کہ چھپ جاؤں۔ مگر کوئی محفوظ جگہ نہ ملی۔ فصیل پر چڑھی۔ برج میں آئی۔ کچھ دیر کچھ نہ تھا۔ نگاہ نیچی تھی۔ بجلی زور سے چمکی۔ دیکھتی کیا ہے۔ کہ ایک شخص دریا میں کھڑا ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا ہے۔ پوچھا "کون ہے"؟

"اس صورت کا دیوانہ۔ اس شہزادی کا پروانہ۔ جو ایک پردیسی
فقیر پر دولت سلطنت باپ بھائی سب قربان کر چکی"۔

آواز آشنا تھی۔ اور وہ جس کو کان ترس رہے تھے۔ صورت دیکھی بھالی اور وہ جس کو دل تڑپ رہا تھا۔ بجلی پھر چمکی۔ نگاہیں چار ہوئیں۔ مگر خاموش۔ بجلی کی چمک ختم ہوئی۔ دونوں طرف خاموشی تھی۔ پھر چمکی۔ تو دریائی مسافر اتنا دیکھ سکا۔ کہ حسن کا ڈھیر برج میں اس طرح پڑا ہے۔ کہ گردن کا ایک حصہ نیچے لٹک گیا۔ اور قریب ہے وہ وقت کہ ہوا کا ایک جھونکا اس پھول کو صبح سے پہلے بجائے مقتل کے آغوش دریا میں ہمیشہ کی نیند سلا دے۔ نازک وقت تھا۔ آوازیں بیکار تھیں اور چلانا بے سود۔ اُچھلتا تھا چیختا تھا۔ چلاتا تھا۔ مگر آواز کا جواب تھا۔ نہ صدا کا اثر۔ ستم یہ ہوا۔ کہ بجلی ختم ہوئی۔ اور وہ آخری چمک تھی جس نے یہ منظر دکھایا۔ رات کی سیاہی سطح آب پر، قلعہ کی دیوار پر، جنگل کے درختوں پر ہر سمت پھیلی ہوئی تھی۔ وہ برج جس میں چاند موجود تھا۔ نظر نہ آتا تھا۔ مگر اندھیرے میں چونے کی سفیدی کچھ پتہ دے رہی تھی۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر اپنی دانست میں ٹھیک برج کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ اور کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ دور کے کسی درخت کے پرندنے وداع شب کا اعلان کیا۔ اور یہ درد انگیز الفاظ ہوا میں گونجے

"تیری خدائی سچی اور انسانی کوشش فضول"

تھوڑی دیر بعد قلعہ سے یہ صدا برآمد ہوئی۔

"کیا کوئی نہیں؟"

دریا نے اس کا جواب کچھ نہ دیا۔ اور اب پرندوں کے نغموں کے سوا کچھ نہ تھا +

(۱۷)

مقتل سینتان میں ہر متنفس ساکت و سرنگوں کھڑا ہے۔ فیلوکس دانت چباتا ہوا تیوری پر بل ڈالے اِدھر اُدھر پھر رہا ہے۔ صبح کا سہانا وقت تھا۔ کہ ایبلا فوج کے جنگی پہرے میں حاضر کی گئی اس کے کپڑے چیکٹ اُس کا چہرہ اُترا ہوا۔ اُس کے بال چھوٹے ہوئے تھے مگر اس حالت اور اس مصیبت میں بھی وہ چہرہ اُتر کر اَور بھی نکھر گیا تھا۔ لبِ نازک پھول کی وہ پنکھڑیاں تھیں۔ جو مرجھائی ہوئی خوشبو سے صحبت شب کا پتہ دیتی ہیں۔ فیلوکس نے اس کو دیکھا۔ اور کہا۔

"اب کیا کہتی ہے؟"

ایبلا۔ میری آرزو پوری ہوئی۔ میری آنکھیں روشن ہیں۔ میرا دل مطمئن ہے۔ اور میں اب قتل کے واسطے بالکل تیار ہوں۔ مگر تجھ کو یا تیرے آدمیوں میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں۔ کہ میری لاش کو ہاتھ لگائے۔ کتے اور گدھ کھائیں چیل اور کوّے پھاڑیں۔ مگر وہ تجھ سے بہتر ہوں گے۔ میری ہنسی نے تجھ کو بتا دیا۔ اور میری موت تجھے دکھا دے گی۔ کہ محبت کیا چیز ہے۔ فیلوکس! میری جان خالی جانے والی نہیں۔ یہ تجھ کو خون کے آنسو رلوائے گی۔ میرا خون رنگ لائے گا۔ اور میں جس شخص کا کلمہ پڑھتی ہوں۔ وہ اتنی طاقت رکھتا ہے۔ کہ اینٹ سے اینٹ بجا دے +

فیلوکس۔ ان لغو خیالات کو اس بیہودہ خرافات کو ختم کر۔ اور اب بھی اپنی ضد سے باز آ۔ یہ میرا آخری فقرہ ہے۔ اس کے بعد جو ہوگا۔ وہ تو نہ دیکھ سکے گی +

ایبلا۔ موت باعثِ عزت اور قتل دیارِ محبت کا معمولی سودا ہے۔ تیری معمولی نگاہوں میں قتل ہو جاؤنگی مگر قتیل فیلوکس! میرے سر پر وہ جگمگاتا تاج رکھے گا جس کو کبھی فنا نہیں۔ تاریخ میرا نام روشن کرے گی۔ اور ملکہ جس میری حکومت سے سبق لے گی + بس خاموش ہو اور قتل کا حکم دے +

فیلوکس نے گردن کا اشارہ کیا۔ اور جلاد نے تیغ آب دار نکال کر وار کیا۔ تلوار ابھی گردن پر نہ پڑی تھی۔ کہ تیسچے کی ایک آواز کے ساتھ جلاد زمین پر تڑپ رہا تھا۔ اسی وقت تحقیقات شروع ہوئی۔ تلاشیاں لیں۔ تحقیقاتیں ہوئیں۔ مگر نہ تیسچہ ملا۔ نہ تیسچے والا۔ قتل دوسرے روز پر موقوف ہوا۔ مگر اس واقعہ نے شہر بھر میں ایک کھلبلی مچا دی +

علامہ صاحب! کیوں اعلام ہے ... دریا بہار ... ؟!

(۱۸)

لشکرِ اسلام طوفان کی طرح اُمڈا چلا آرہا ہے۔ آرام کی ضرورت ہے نہ مقام کی۔ صبح کا خیال ہے نہ شام کا۔ نصیبری کے فرار ہوتے ہی فاتح بابل کی طرف بڑھے۔ راستے ہیں برس کا سردار بسطام مشرف بہ اسلام ہؤا۔ سعد نے اس کو پناہ دی۔ اور کہا۔ اب تم ہمارے بھائی ہو۔ اطمینان سے بیٹھو۔ اور چین سے راج کرو۔ بسطام نے مسلمانوں کا یہ خلق دیکھ کر مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ سفر کا انتظام معقول طریقے پر کر دیا۔ نہروں کے پل بندھوا دئے۔ اور مسلمانوں کی فوج آنًا فانًا بابل تک جا پہنچی۔ یہاں ایران کے مشہور شجاع مہرآن وغیرہ جمع ہو چکے تھے۔ اور گو ہمتیں بہت کچھ تھیں۔ مگر دل بیٹھے جاتے تھے۔ اس وقت صرف ایک صورت اُن کی سمجھ میں آئی اور وہ یہ کہ فوراً فیلوکس کے پاس پہنچے۔ اور کہا "اگر ہم کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ تو تمام ایران کی ناک کٹ جائے گی۔ یہ ممکن نہیں۔ کہ اس آگ کے شعلے سیستان کو چھوڑ دیں۔ مناسب یہی ہے کہ تم ابھی سے ہمارے ساتھ شریک ہو کر دشمن کو وہیں روکو۔ فیلوکس کے یہ سنتے ہی چھکے چھوٹ گئے۔ وہ جانتا تھا۔ کہ بابل کی تباہی کے بعد سیستان مُنہ سے پر ہے۔ وزرا سے مشورہ کیا۔ سب نے صلاح دی۔ کہ ہماری طاقت ہرگز اس قابل نہیں۔ کہ مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں۔ ہاں اگر مازندرانی ہمارے شریک ہو جائیں۔ تو فتح کی توقع یقینی ہے۔ اب فیلوکس کے ہوش اُڑ گئے۔ ابیلا اس کی قید میں تھی۔ شہریار اور میڈیا قتل ہو چکے تھے۔ ہمت نہ پڑتی تھی۔ مگر دل کڑا کیا۔ اور وزرا کی جماعت کو لے کر جیل خانے میں گیا۔ اپنا تاج ملکہ کے قدموں میں ڈال کر اعانت کی درخواست کی۔ اور کہا:۔

"میں قصور وار ہوں جس کی خطا کسی حال میں معافی کے قابل نہیں۔ میڈیا اور شہریار کے قتل کے دھبے میرے دامن پر ایسے ہیں۔ کہ کسی طرح نہیں چھوٹ سکتے۔ میں جس معاملے میں اس وقت اعانت کا طلب گار اور مدد کا محتاج ہوں۔ وہ میری ذاتی غرض نہیں۔ ملک و قوم کا معاملہ ہے مسلمان ہمارے ملک کو تاراج و برباد کرتے ہوئے بابل تک آپہنچے۔ اور اب اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔ کہ ہماری متفقہ فوجیں ان ظالموں کا مقابلہ کریں۔ اور اپنے ملک سے نکال باہر کریں۔"

ملکہ خاموش تھی۔ اس کی قہر آلود نظریں فیلوکس کے چہرے پر تھیں۔ کہ وزیر جنگ اور مہروان۔ دونوں اس کے قدموں میں گرے۔ اور عفو تقصیر کی التجا کی۔

یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ حبِ وطن تھی۔ یا جوشِ قومیت۔ ورنہ ہماری رائے میں تو ابیلا اس دُنیا کے جھگڑوں سے کبھی کی رخصت ہو چکی تھی۔ ممکن ہے مصلحت ہی ہو۔ التجا قبول اور درخواست

منظور ہوئی۔ باہر آئی غسل کیا۔ اور لباس تبدیل کر گھوڑے پر سوار ہوئی۔
دوپہر کی اس چلچلاتی دھوپ میں کہ لُو کے جھکڑ قیامت بپا کر رہے ہیں۔ نہ
جا رہی ہوں میں قصر ابیلا کی مشتاق ہوں۔ نہ حکومت ماژندران کی میں صرف اس
کی خواستگار ہوں جس نے میری جان بچائی۔ میرا دل فتح کیا۔ اپنی جان پر کھیل کر میری جان بچائی
اس خوف ناک رات میں کہ طوفان نے دریا کو مجسّم موت بنا رکھا تھا۔ لہریں اٹھ اٹھ کر آسمان سے
باتیں کر رہی تھیں۔ نہ معلوم بچا یا مرا۔ مگر فیلوکس کے ظالم ہاتھوں سے بچانے والا۔ جلاد کو قتل کرنے
والا اس کے سوا کون تھا۔ مشکل سے مصیبت سے مدتوں میں عرصے کے بعد خدا خدا کر کے یہ دن
آیا ہے۔ یہ اطمینان کا وقت میسّر ہوا۔ بے چینی لمحے کی آزادی نصیب ہوئی۔ آگے چل کر اس لمحے کے بعد
تھوڑی دیر میں کیا خبر کیا ہوگا۔ اس وقت نظر آجاتا۔ دو باتیں کر لیتی۔ کچھ کہتی کچھ سنتی۔ صلاح کرتی۔
مشورہ لیتی۔ فدا ہوتی۔ قربان ہوتی۔........

کیسی عجیب طبیعت کیسی غیر معمولی صورت کا انسان ہے۔ آج تک یہ بھی نہ بتایا۔ کہ کون ہے۔
کہاں سے آیا۔ کدھر رہتا ہے۔ کیا کرتا ہے۔ کیسی جنگ۔ کس کا مقابلہ میری فتح میری شکست میری
حکومت میری سلطنت سب اس صورت میں پنہاں اور سیرت میں مضمر۔ دل کی کیفیت کیا ہوئی
ہے۔ سب کچھ بھول گیا۔ باپ کا قتل۔ بھائی کا خون۔ ملک کی بربادی۔ حکومت کا خاتمہ سب ذہن
سے فراموش ہیں۔ یاد ہے تو اس کی۔ اور خیال ہے تو اس کا۔

ملکہ انہی خیالات میں غلطاں پیچاں چلی جا رہی تھی۔ کہ ایک شخص نے پیچھے سے آکر رکاب پکڑ
لی۔ ہاتھ میں تلوار بغل میں خنجر پاؤں میں موزے چہرے پر نقاب۔ ٹھٹکا اور روکا۔ سوچی۔ کہ پھر کوئی
آفت آئی۔ تلوار میان سے نکالی۔ اور وار کیا۔ طبیعت میں جوش اور مزاج میں غصہ بھرا ہوا تھا۔
مگر یہ دیکھ کر کہ آدمی کسی طرح نہیں ہٹتا متعجب ہوئی۔ چاہا۔ کہ ہاتھ روکوں۔ اور دیکھوں ہے
کون۔ مگر اچٹتی ہوئی پڑ گئی۔ آگے بڑھی۔ اور گھوڑا اس خیال سے دوڑا دیا۔ کہ شام سے پہلے ماژندران
پہنچ جاؤں۔ پھر خیال آیا۔ کہ یہ معمّہ تھا کیا۔ چور تھا۔ ڈاکو تھا۔ گستاخ تھا۔ دیوانہ تھا۔ پھر لوٹی۔ زخمی
بیہوش پڑا تھا۔ نقاب اٹھا کر دیکھتی ہے تو وہی فقیر۔ ہوش اُڑ گئے۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا
آگیا۔ ایک چیخ ماری۔ اور سر اُٹھا کر گود میں رکھ لیا۔ زخم پر فدا صورت پر قربان۔ چاہا کہ اسی تلوار
سے اپنا کام تمام کر لوں۔ ساتھ ہی خیال آیا۔ کہ اس لق و دق میدان اس جنگل بیابان میں زخمی
محبوب کا کیا حشر ہوگا۔ اٹھی۔ چاروں طرف دیکھا۔ دور جا کر ایک کنواں نظر آیا۔ مگر ڈول نہ تھا نہ رسی

...درسی بٹی۔ پتے توڑ کر ڈول بنایا۔ پانی بھرا۔ گراتی پھینکتی پتوں میں پھلو...
...ب غروب ہو چکا تھا۔ دیکھی بھالی جگہ نہ تھی۔ جانا بوجھا مقام نہ تھا۔ جب تک
...ا اندھیرا ہر طرف چھا چکا تھا۔ اس شیرنی کی طرح جو شیر سے بچھڑ کر ہر سمت ڈکارتی پھرے
...پروانے کی طرح جو شمع کے رُخ پر چکر لگا رہے۔ یہ عاشق صفت مجبوبہ ناکام تمام رات جنگل کی خاک
چھانتی پھری۔ سانپوں نے اس کے سر پر پھنکاریں ماریں۔ چوہوں نے اس کے پاؤں میں قلابازیاں
کھائیں۔ شیر چیتے اس کی رفت پر ہنستے۔ اس کی مصیبت پر دہاڑتے اور چنگھاڑتے رہے۔ مگر اس کے
اضطراب میں فرق نہ آیا۔ بھوک پیاس۔ نیند۔ سکون کسی کام سے واسطہ نہ تھا۔ جہاں اچھے اچھے
جری جاتے دہلتے تھے۔ وہاں حُسن کی یہ دیوی اور محبّت کی یہ تصویر اپنی دھن میں مست اپنے گھائل
کو ڈھونڈتی پھری۔ رات اس طرح ختم ہوئی۔ اور صبح صادق اس کی حالت پر کھلکھلا کر ہنسی۔ رستا
بھول چکی تھی۔ بھٹک بھٹکا کر کسی اور جگہ نکل گئی۔ دن بھر تلاش کرتی رہی۔ مگر وہ صورت اب بھی
نظر نہ آئی۔

(۱۹)

رات ختم ہو چکی۔ آفتاب ان شجاعان اسلام کی صورت پر ٹکٹکی باندھے برآمد ہو رہا ہے۔ جو محض کلمہ
حق کی حمایت پر اپنا گھر بار بال بچے چھوڑ چھاڑ سینکڑوں کوس کی مسافت طے کر کے بابل میں ڈیرے
ڈالے پڑے ہیں۔ ان کے دل نور اسلام سے روشن۔ ان کی آنکھیں سرمہ توحید سے آراستہ
اور ان کے جسم رسالت کی تصدیق سے چمک رہے ہیں۔ ان کی صورتیں بھولی۔ ان کا لباس سیدھا
ان کے عقیدے پکے اور ان کی ہمتیں بلند۔ یہ نماز فجر سے فراغت پا کر دنیا کے کاموں میں مصروف
ہوئے۔ تو سعد نے کہا:۔

خدا کے حکم پر جانیں قربان کرنے والے مسلمانو! دیکھو آج تم کہاں ہو۔ ہادئی برحق کی خوابگاہ
تم سے ہزاروں کوس دور ہے۔ مگر جو پھول اس پاک منہ سے جھڑے۔ ان کی مہک ابھی تمہارے
دماغوں میں موجود ہے۔ وطن کی سرزمین تم سے چھوٹ گئی۔ عزیز و اقارب تمہاری آنکھ کے سامنے
نہیں۔ مگر جس کے کارن تم نے یہ سب سختیاں جھیلیں اور تکلیفیں اٹھائیں۔ وہ اتنی قدرت رکھتا
ہے۔ کہ تم کو بچھڑے ہوؤں سے ملا دے۔ معصوم چہرے دکھا دے۔ اور وطن کی گلیوں میں پہنچا دے۔
وہی وطن ہوگا وہی گھر بار وہی دن ہوگا وہی راتیں۔ مگر تم یہ نہ ہوگے۔ تم وہ ہوگے۔ کہ تمہارے کام
اور تمہارے نام پر اسلام ہمیشہ فخر کرے گا۔ تمہاری زندگی وہ زندگی ہوگی جس نے ایران میں جہان

آگ بجھی تھی۔ توحید کا جھنڈا گاڑ دیا۔ تم وہ ہو گے۔ کہ تم مردوں کی روحیں۔ اور تم زندوں کے کام پیغمبر صلعم کی گود میں ہوں گے۔ اس فرحت کی قیمت اس مسرت کا معاوضہ اس خوشی کا مقابلہ اس دُنیا کی کوئی شے نہیں کر سکتی۔ گردنیں اُٹھاؤ۔ اور نظریں بلند کرو۔ بابلستان کے اس پار جب تمہارے فاتح قدم شرک و کفر کو کچلتے ہوئے مقام کوفی پر پہنچیں گے۔ تو تم وہ جگہ دیکھو گے۔ جہاں خدا کے ایک بندے اور سچے پیغمبر نے ہر قسم کی اذیتیں برداشت کیں۔ مگر خدا کی محبت میں اور اپنے استقلال میں فرق نہ آنے دیا۔ زمین کوفی کا ہر ذرہ تم کو بتائے گا۔ کہ بندہ خدا سے سرخرو ہوتا ہے۔ اور دُنیا کی کوئی طاقت صداقت پر غالب نہیں آسکتی۔ یہ وہ جگہ ہے۔ جہاں ابراہیم خلیل اللہ ظالم و سرکش نمرود کے حکم سے قید کئے گئے۔ اس وقت کو، سامنے رکھو۔ کہ دنیا کا ہر متنفس اور کرۂ انسانی کی ہوا کا ہر جھونکا صداقت کی مخالفت پر کمر بستہ ہے۔ مگر خلیل صادق کی استقامت میں فرق نہیں آیا اس وقت تین جماعتیں تمہارے مقابلے کو تیار ہیں۔ مگر ہم کو یقین ہے۔ کہ ٹڈی دل فوجیں کیوں نہ آجائیں۔ اور دشمن چیونٹیوں کی طرح زمین سے کیوں نہ اُبل پڑے۔ فتح ہماری ہو گی۔ کیونکہ ہم حق پر ہیں اور حق ہمارے ساتھ ہے ❖

(۲۰)

وہ صورت اس قابل ہے۔ کہ میں اس کو کلیجے میں رکھوں۔ وہ پاؤں اس لائق ہیں۔ کہ میں ان کو آنکھوں سے لگاؤں۔ وہ آنکھ ناک وہ چہرہ مہرہ جو نور کے سانچے میں ڈھلا ہے۔ وہ حُور جو انسان بن کر دنیا میں آئی جس پر مجھ جیسے لاکھوں مجھ سے بہتر ہزاروں۔ مجھ سے بدرجہا بہتر سینکڑوں مٹے ہوئے ہیں۔ میری دسترس سے دُور میرے وہم سے پرے میرے خیال سے بالا ہے۔ اس کی فوج کا ہر بہادر مجھ سے شجاعت میں۔ اس کے ملک کا ہر شخص مجھ سے صورت میں۔ اس کی سلطنت کا ہر متنفس مجھ سے ہمت میں برتر اور بہتر۔ کجا وہ اشارے میں دولت قبضے میں خزانے۔ کجا میں گھر میں نہیں دانے بڑھیا چلی بھنانے۔ مقابلے کی جوڑ ہوتی برابر سرابر کی ٹکر۔ جو کہتا وہ ٹھیک۔ جو کرتا وہ درست۔ حلوا خوردن را روئے باید۔ ایک خدا ایک شیطان۔ ایک حور ایک انسان۔ وہ بادشاہ میں رعیت۔ وہ راحت میں آفت۔ وہ لال میں پتھر۔ وہ برتر میں بدتر۔ جان بچائی تکلیف اٹھائی خطرے میں پڑا دشمن سے لڑا۔ تو احسان کس پر اور ممنون کون۔ شرافت کا فرض انسانیت کا تقاضا محبت کا مدعی تھا۔ تو کچھ کرتا۔ کچھ کر کے دکھاتا۔ دریا میں سُرنگ بناتا۔ قلعہ میں نقب لگاتا۔ افسوس میری محبت پر اور بدرجہا افسوس میرے عشق پر..........

مگر دل کا علاج کیا ہو۔ سب جگر سے کھو دیا۔ خدا کی عبادت مجھ سے چھوٹی۔ قوم کی خدمت مجھ سے گئی۔ دن ہے تو اور رات ہے تو۔ وہی ایک خیال، اور وہی ایک بات۔ سوچا یہ تھا۔ کہ آنکھوں سے گھایل اور باتوں سے قتل کر چکی۔ اب انہی ہاتھوں سے یہ زندگی بھی ختم ہو۔ سب رگڑے جھگڑے الفظ ہوں۔ مگر تقدیر کی خوبی تھی۔ کہ ہاتھ اوچھا پڑا۔ اب زندگی کا سہارا یہی کپڑا ہے جس نے اس جسم کے اور اس زلف کے بوسے لئے۔ یہ میرے زخم کا مرہم میرے مرض کا علاج اور میرے دکھ کی شفا ہے

کپڑا منہ پر تھا۔ دل تڑپا۔ طبیعت بے چین ہوئی۔ اٹھا۔ سڑک پہ آیا۔ اِدھر اُدھر ٹہلا۔ قلعہ ارسلانی کی شکستہ دیواریں شاہان فارس کے گزشتہ جاہ وجلال کا پتہ۔ اور مٹنے والوں کا نوحہ دوپہر کے سناٹے میں پڑھ رہی تھیں۔ دور تک سناٹا اور ایک عالم سنسان تھا۔ سامنے نظر ڈالی۔ تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ کوئی شخص ٹھٹکتا ٹھٹکاتا بھٹکتا بھٹکاتا چلا آ رہا ہے۔ متعجب ہوا آگے بڑھا۔ چار آنکھیں ہوئیں۔ محلوں کی بیٹھنے والی ملکہ اکیلا اس جنگل بیابان میں تن تنہا ....

اچنبھا یا تعجب نہیں۔ ایک سکتہ تھا۔ ایک خموشی تھی۔ دونوں ساکت تھے۔ چند لمحہ بعد زخمی آگے بڑھا۔ ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور یہ کہہ کر قدموں پر گر پڑا۔ "ملکہ عالم! یہ قیامت خیز دھوپ ان پھولوں کو مرجھا نہ دے"۔

خدا جانے تقاضائے حسن تھا۔ یا رعب سلطنت۔ شان محبوبیت یا انداز نسوانیت۔ کہ ملکہ جو کبھی سے زیادہ بے قرار و اشکبار تھی۔ اب قطعاً خاموش تھی۔ آہ اس کے لب سے شکایت اس کی زبان سے محبت اس کے پاس سے اور عنایت اس کے ساتھ سے کوسوں دور تھی۔ سوال کا جواب نہ تھا نگاہ نیچی۔ لب بند۔ ایک تصویر تھی جو چپ چاپ کھڑی تھی۔ زخمی کچھ دیر نثار ہوتا رہا۔ اور پھر آہستگی سے کہا:۔

"اس غضبناک دھوپ میں کہ آسمان انگارے برسا رہا اور زمین شعلے اگل رہی ہے یہاں پھرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ یہ صورت جس کو خدا نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اس پر یہ ستم انصاف شاہانہ سے بعید ہے"۔

ضبط کی اب بھی کوشش کی۔ خاموش رہنے کا اس پر بھی قصد کیا۔ مگر اب کامیاب نہ ہو سکی۔ اور جواب دیا۔

"تمہارے زخم کا کیا حال ہے؟"

زخمی۔ وہ زخم نہیں مرہم۔ وار نہیں کرم تھا۔ کاش یہ پیارے ہاتھ زندگی ختم کر دیتے۔ ہاں جو زخم

کلیجے کے اندر ہے۔ اس کی حالت لحظہ بہ لحظہ بدتر ہے ؞

ملکہ۔ نہیں میں اس زخم کو نہیں دریافت کرتی جی۔ تو آپ کا یہ منشا تھا۔ کہ وار پورا پڑتا۔ تاکہ میں محسن کش بھی ہو جاتی۔ یہی خیال کچھ کم تکلیف نہیں دے رہا۔ کہ میں تمہارے احسانات کا اب تک کوئی معاوضہ نہ دے سکی ؞

زخمی۔ دھوپ سخت ہے اور ہوا گرم۔ تو قیامت خیز ہے اور آفتاب تیز۔ ملکہ رحم کا وقت ہے میں زخمی ان ہاتھوں کا نہیں۔ ان آنکھوں کا گھایل ہوں۔ خنجر کا نہیں۔ اس ابرو کا۔ یہ منظر میرے زخم پر نمک میرے گھاؤ پر مرہم ہے۔ اس وقت زمانہ ہمارے موافق ہے۔ اور وقت ہمارا ساتھی اس سامنے والے درخت کے نیچے چند لمحے کے واسطے۔ صرف اس لئے کہ یہ ظالم کہیں میرے سامنے اس پیاری صورت کے ......

ملکہ۔ تم کو معلوم ہے۔ اور شاید اچھی طرح خبر ہے۔ اور غالباً تمام و کمال۔ کہ میں اس قسم کی گفتگو پر فیلوکس کے دربار میں دو زبردست قربانیاں چڑھا چکی۔ بڈھا باپ اور معصوم بھائی۔ مگر تم میرے محسن ہو۔ اور میں ابھی تک معاوضے سے قاصر۔ تخت دولت سلطنت حکومت اگر کوئی چیز بھی مجھ کو تمہارے معاوضے سے سبکدوش کر دے۔ تو مجھے عذر نہیں۔ اس کے سوا کسی اور قسم کی گفتگو کی ضرورت نہیں ؞

زخمی۔ میں جانتا ہوں۔ اور رتی رتی مجھے علم ہے۔ اور حرف بحرف۔ لیکن وہ ظالم تھا میں مظلوم وہ حاکم تھا میں محکوم۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ میں رحم کا خواستگار۔ وہ سیستان کا مالک اور ملک کا امیر۔ میں غریب انسان اور قوم کا فقیر۔ میں کمتاخ نہیں بے قرار ہوں۔ میری التجا قبول ہو۔ اے ملکہ خدارا رحم۔ دھوپ سخت ہے۔ ورشا ہوا لب نازک پر لوٹ رہے ہیں۔ اجازت دے کہ ان پھولوں سے ہاتھ بسا ؤں ؞

تمکنت سے اب بھی کام لینا چاہا۔ مگر جو آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ بھڑک اٹھی شعلوں کی حرارت آنکھ میں نمودار ہوئی۔ اور اذیت فراق جس نے کلیجہ چھلنی کر دیا تھا۔ جلوۂ دیدار میں حسرت بن کر ہونٹوں پر کھیلی۔ اور مسکراہٹ کے لباس میں سامنے آئی۔ ایک ٹھنڈا سانس لیا۔ اور درخت کی طرف چلی۔ زخمی پیچھے تھا۔ دونوں درخت کے نیچے پہنچے۔ دھوپ پتوں میں سے چھن چھن کر چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اور بدن پسینے پسینے ؞

زخمی۔ شوق و اضطراب اس صورت کے نظر آتے ہی خواب و خیال ہو گئے۔ اب نہ کوئی تکلیف

ہے۔ نہ اذیت۔ ہاں ایک ٹیس ہے۔ جو کلیجے کے ٹکڑے اڑا رہی ہے۔ بھلا۔ ملکہ خود ہی فیصلہ کر۔ سیجوں پر سونے والی مہ جبیں میری آنکھوں کے سامنے اس بیابان ہیں۔ اے ملکہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ اور اے ابیلا تو مجھے کیا دکھا رہی ہے۔ للّٰہ اس سامنے والے قلعہ میں تھوڑی دیر دم لے لو۔ وہاں دھوپ سے تو پناہ ملے گی۔

ملکہ۔ پہلے اپنی داستان تو بیان کرو۔ نام مقام کام۔ رہنا بسنا؟

زخمی۔ ابھی بتاتا ہوں۔ ایک ذرا اس ٹنڈے کی آڑ میں کھڑی ہو جاؤ۔ دھوپ یہاں نہیں ہے۔

ملکہ۔ جو دل بجھ گیا۔ جو آرزوئیں پامال ہوگئیں۔ جو صورت جھلس گئی۔ اور جو عمارت ڈھے گئی۔ اب اس کا زندہ ہونا مشکل۔ پیدا ہونا محال۔ درست ہونا غلط اور تعمیر ہونا ناممکن ہے۔ اب اس جسم میں کچھ نہیں۔ دل برائے نام موجود ہے۔ مگر مر چکا ہے لیکن تڑپتا ہوا اور جھلستا ہوا۔ صبا و سموم ایک اور بہار و خزاں یکساں سیجوں کے دن اور محلوں کی راتیں ختم ہوئیں۔ اب ببول کے کانٹے فرشِ مخملی ہیں۔ اور قلعہ سیستان قصرِ ابیلا۔ یہ وقت غنیمت سمجھو۔ اور اپنا پتہ بتا دو۔

زخمی کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔ جھکا اور پاؤں کو بوسہ دیا۔ ملکہ نے اپنے ہاتھ سے آنسو پونچھے اور کہا:۔

ایک پھپولا تھا جو زخم ہوا۔ اب زخم ناسور ہے۔ اس پر نمک نہ چھڑکو۔ چلو مازندران چلیں۔

زخمی۔ بسر آنکھوں سے مگر مسافت زیادہ اور رستہ خطرناک ہے۔ رات سر پر آگئی۔ کانٹے ... گے۔ پاؤں تھکیں گے۔ اچھا۔

دونوں درخت سے نکل کر سڑک پر آئے۔ اب شام ہو رہی تھی۔ اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے دن بھر کے تھکے ہوئے دماغوں کو تسکین دے رہے تھے۔ تھوڑی دُور چل کر رات ہو گئی۔ تو شہزادی نہیں نہیں کرتی رہی۔ مگر زخمی نے گود میں اٹھایا۔ اور مازندران کا راستہ لیا۔ صبح کا وقت تھا۔ کہ یہ دونوں قصرِ ابیلا کے قریب پہنچے۔ اب زخمی نے شہزادی کو پشت سے اتار دیا۔ اور محل میں چھوڑ کر ایسا غائب ہوا۔ کہ پھر پلٹ کر نہ دیکھا۔

(۲۱)

فیلوکس نشۂ شراب میں بدمست دربار میں بیٹھا ہے۔ ادھر اُدھر بڑے بڑے اُمرا و وزرا جمع ہیں۔ مگر سب کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ وزیرِ جنگ کی طرف نگاہ ڈال کر فیلوکس نے

ایک قہقہہ لگایا۔ اور کہا" گھبراؤ مت۔ جب تک فیلوکس کی جان میں جان ہے۔ کس کی اتنی مجال کہ سیستان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ لے مسلمان ہوں یا یزدگرد میں دونوں کو خاک میں ملانے کے واسطے تیار ہوں۔ یزدگرد کی یہ ہمت کہ وہ میری موجودگی میں ملکہ ایپلا کا مالک ہو۔ وہ میری ہے اور میری ہو کر رہے گی۔ یزدگرد کو بجائے شہزادی کے موت سے وصل نصیب ہوگا۔ مگر میرے دل کی حالت لمحہ بہ لمحہ خراب ہو رہی ہے۔ آج تیسرا روز ہے۔ کہ میں نے وہ صورت نہیں دیکھی وہ یہاں موجود ہے۔ اور میں اس کے دیدار کو ترس رہا ہوں ؂

وزیر جنگ حضور اس وقت تو رعیت کی بربادی اپنی آزادی عزتوں کا خوف اور جانوں کے لالے ہیں مسلمانوں کا مقابلہ تو چنداں مشکل نہیں۔ اور ان کو کچل دینا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے مگر خواہ مخواہ اس سے اڑ رہے ہیں۔ کہ یزدگرد حملہ کر رہا ہے۔ کہ کسی طرح شہزادی قبضے میں آئے۔ سنا یہ گیا ہے۔ کہ یزدگرد خود نصف فوج لے کر ماژندران پر حملہ کرنے گیا ہے۔ اور نصف اپنے مشہور سپہ سالار ہمدان کے ماتحت سیستان آئی ہے ؂

فیلوکس۔ تم ان لغو باتوں کا مطلق خیال نہ کرو۔ سب کو خاک میں ملا دوں گا۔ میری حالت دیکھ رہے ہو۔ کیا ہے۔ مجھے سوا اس چاند سی صورت کے اور کسی چیز کا ہوش نہیں۔ تم تجربہ کار آدمی ہو بتاؤ۔ کہ شہزادی ایپلا کی طبیعت بھی میری طرف مائل ہے یا نہیں۔ اگر وہ میری طرف راغب نہ ہوتی۔ تو میری مدد کو اس قدر جمعیت لے کر کیوں آتی۔ مگر اس کے اصرار میں کیا مصلحت ہے۔ کہ میں اپنی صورت اس کو نہ دکھاؤں ؂

دوسرا وزیر۔ سرکار! یہ سرکار حسن کا ادنےٰ کرشمہ ہے۔ اول تو حسین پھر خود والئی سلطنت۔ حضور کو معلوم ہے۔ راج ہٹ اور تریا ہٹ۔ دو ہٹوں کا مجموعہ ہے۔ ضد آگئی۔ نہ جھکی۔ لیکن یہ تو موٹی سی بات ہے۔ کہ اگر دل میں لگاؤ نہ ہوتا۔ تو حضور کے ادنےٰ اشارے پر تمام فوج لے کر کیوں خطرے میں جا پڑتی ؂

فیلوکس۔ یہ واقعہ ہے۔ ٹھیک ٹھیک تمہارا خیال درست ہے۔ کیوں اراکین دربار آپ صاحبوں کی کیا رائے ہے ؂

ایک متفقہ آواز۔ حضور نہایت درست۔ کھلی ہوئی بات ہے ؂

سلسلۂ گفتگو ختم نہ ہوا تھا۔ کہ گولہ باری نے وہ سماں درہم برہم کیا۔ اور معلوم ہوا۔ کہ ہمدان یزدگرد کا سپہ سالار پچاس ہزار فوج سے حملہ آور ہوا ہے۔ اور ماژندرانی فوج نہایت ہمت سے

اس کا مقابلہ کر رہی ہے۔ کثرت فوج کے علاوہ ہمدان کی شجاعت تمام ایران میں ضرب المثل تھی۔ جدھر گرتا تھا۔ بجلی کی طرح صفایا کرتا تھا۔ مگر ملکہ سیاہ لباس پہنے اور سیاہ گھوڑے پر سوار اس بے جگری سے دشمن کا حملہ روک رہی تھی۔ کہ ایک قدم آگے نہ بڑھ سکتا تھا۔ فیلوکس اپنی فوج لے کر موقع پر پہنچا۔ اور اس گھمسان کا رن پڑا۔ کہ میدان لاشوں سے پٹ گیا۔ ہمدان جس طرح شجاعت میں بے نظیر تھا۔ اسی طرح عیاری میں لاثانی۔ یہ رنگ دیکھ کر وہ واقعات پر دوڑا اور اس نتیجے پر پہنچا۔ کہ صرف فیلوکس کا قتل لڑائی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ یہ سمجھتے ہی اُس نے تمام فوج میمنہ پر جہاں فیلوکس تھا۔ جمع کر دی۔ اور اس زور سے حملہ کیا۔ کہ گو قدم قدم پہ قربانیاں چڑھانی پڑیں۔ مگر اس وقت تک پیچھے نہ ہٹا۔ جب تک فیلوکس کا سر نیزے پر نہ چڑھا لیا۔ فیلوکس کے قتل ہوتے ہی سیستانی و یزندرانی دونوں بھاگے۔ ملکہ ایک طرف چلی۔ مگر ہمدان نے ایک دستہ لے کر تعاقب کیا۔ اور تھوڑی دور جا کر گرفتار کر ایک خیمے میں مسلح فوج کا پہرہ لگا قید کر دیا۔

کوچ کا قصد صبح کا تھا۔ کیوں کہ اس وقت آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ اور فوج دن بھر کی تھکی ہاری تھی۔ مگر ایبلا کا حُسن جس نے یزدگرد کو دیوانہ بنا رکھا تھا۔ ہمدان کو بھی گھائل کر گیا۔ نمک حرامی کے پردے عشق کے رنگ میں ڈوب کر اس کی آنکھوں پر پڑے۔ جشن فتح کی تیاریاں ہوئیں۔ راگ رنگ شروع ہوا۔ رنگ رلیاں ہونے لگیں۔ آدھی رات کے وقت جب نشہ تیز ہوا اور ہمدان نے سونے کا قصد کیا۔ تو حکم دیا۔ کہ "ملکہ کو حاضر کرو"۔

حکم کی تعمیل ہوئی خیمہ خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔ ملکہ داخل ہوئی۔ سیاہ لباس غضب ڈھا رہا تھا۔ دیکھتے ہی لوٹ پوٹ ہو گیا۔ استقبال کو اُٹھا۔ اور اپنی جگہ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب ملکہ خاموش رہی۔ تو ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ پکڑا۔ ملکہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اور طیش میں آ کر کہا:

"تجھ کو جو کہنا ہے۔ وہ کہہ۔ جو حکم دینا ہے وہ حکم دے۔ مگر اپنی اصلیت کو نہ بھول"۔

ہمدان تجھ کو معلوم ہے۔ میں اس وقت کون ہوں۔ اور اس بدبخت فیلوکس کو جس کے سوگ میں تو رو رہی ہے۔ اس کی شرارت کا مزا چکھا چکا ہوں۔ اگر تیرا مغموم چہرہ میرا دل فتح نہ کر لیتا تو میں ابھی تجھ کو بھی اس کے پاس پہنچا دیتا۔ اب تو اس خیمے میں آرام کر۔ اور یقین کر کہ تمام ایران پر میرا سکہ چلے گا۔ یزدگرد اس خنجر کی نذر ہو گا۔ اور تو سلطنت کی مالک۔

ملکہ۔ اس فضول گفتگو سے حصول؟ تو اور تیرا بادشاہ دونوں گردن زدنی ہیں۔ یاد رکھ کہ لیلا

تم دونوں کو ایک ذلیل ہستی اور بدترین مخلوق سمجھتی ہے ❖

یہ سن کر ہمدان آگے بڑھا۔ زبردستی ملکہ کا ہاتھ پکڑ کے گھسیٹا۔ اور اپنے ہاتھ اس کی ڈال کر لپٹا تھا۔ کہ چوب دار نے ایک قاصد کے حاضر ہونے کی اطلاع دی ❖

بگڑتا بگڑاتا چیختا چلاتا باہر آیا۔ کون ہے۔ کیا ہے۔ کہاں سے آیا۔ کیا کہتا ہے؟

نشے میں سرشار۔ اس پر فتح سیستان سمندِ ناز پہ آوز تازیانہ تھی۔ قاصد نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ تیوری پر بل ڈالے خاموش کھڑا رہا۔ یہ دیکھ کر ہمدان نے تلوار نکالی۔ اور کہا۔

"مغرور ناہنجار۔ بدتمیز و بدکردار۔ میں اپنی عنایت اور رحم خسروانہ سے تیری درخواست سننے کے واسطے خود باہر آگیا۔ مگر تجھ کو مجرا تک کرنا نصیب نہ ہوا۔ اگر قاصد کا قتل قابلِ اعتراض نہ ہوتا۔ تو تجھ مغرور انسان کا سر میرے قدموں پر لوٹتا ہوتا۔ جلد عرض کر۔ کیا کہتا ہے"؟

قاصد کی تلوار بھی میان سے باہر آئی۔ وہ آگے بڑھا۔ اور سینہ سپر ہو کر کہنے لگا۔ "بے وفا اور نمک حرام انسان۔ میں اس قوم کا قاصد ہوں۔ جس نے تجھ جیسے بیسیوں سرکشوں کے سر خدا کے حکم سے چشم زدن میں کچل دئے۔ ہم نے بڑے بڑے تاج داروں اور جلیل القدر بادشاہوں کے تاج محض کلمہ حق کی حفاظت و حمایت میں ان قدموں سے ٹھکرا دئے۔ یہ فتح جس نے آج تجھ کو حواس باختہ کر دیا۔ ہم کو خدا کے فضل سے روز میسر آتی ہے۔ ہمارا جھنڈا جو صداقت کا پیام اور دعوت اسلام ہے۔ قادسیہ سے بابل تک اڑ رہا ہے۔ اور جس زمین پر تجھ جیسی ناپاک ہستیوں نے نفسانی خواہشوں کے فانی کھیل کھیلے۔ وہاں آج مالک حقیقی کے مستقل نعرے ہوا میں گونج رہے ہیں۔ میں تجھ کو امیر المومنین کی طرف سے دعوت اسلام دینے آیا ہوں۔ مے نوشی اور عیاشی کو چھوڑ کر اس خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے سر جھکا۔ جس کا راج اٹل اور جس کی حکومت ابدی ہے۔ اگر اسلام قبول کرے۔ تو ہمارا بھائی ہے۔ ورنہ جزیہ دے کر اسلام کی حفاظت میں آ۔ نہیں تو ہمارا لشکر جرار جس میں ادنٰے آدمی اور اعلٰے سپہ سالار دونوں ایک ہیں۔ صبح کی نماز سیستان میں پڑھے گا"❖

ہمدان۔ تم لوگ قزاق ہو۔ چاروں طرف کی لوٹ مار سے اپنی طاقت بڑھا کر بادشاہوں کے مقابلے کو نکل کھڑے ہوئے۔ اور اپنی عیاری سے بعض جگہ کامیاب ہو گئے۔ لومڑیوں سے کھیلتے کھیلتے اب یہ دماغ بگڑ گئے۔ کہ شیروں کا سامنا۔ ہم تم کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیں گے۔ خیر اسی میں ہے۔ کہ جدھر سے آئے ہو۔ ادھر اور جس طرح آئے۔ اسی طرح الٹے قدموں لوٹ جاؤ۔ اور غنیمت

ن پائے۔ تم کو خبر نہیں۔ کہ جن رگوں میں ایرانی خون دوڑ رہا ہے۔ وہ دشمن نہیں سمجھتے۔ بلکہ جب تک اس کی ہڈیاں نہ چبالیں۔ چین نہیں پڑتا + تم گھر تو سمجھنا۔ کہ مُردوں سے زندوں میں آگئے۔ مگر مجھے تعجب ہے۔ کہ تو مسلمانوں کا قاصد س طرح ہُوا۔ تیری گفتگو تیری بات چیت سب ایرانیوں کی سی ہے۔ تو ہرگز ان قزاقوں کی اولاد نہیں ہو سکتا"۔

"قاصد۔ تیرا خیال بدیں اعتبار قطعی درست۔ تیری رائے اس لحاظ سے یقیناً صائب اور تیرا گمان اس معاملے میں بے شک صحیح۔ میں سرزمین ایران کا فرزند ایک بطی النسل شخص ہوں جو عمر بھر فسق و فجور میں مبتلا رہا۔ مگر جب خدا کو منظور ہُوا۔ کہ میں گمراہی سے نکل کر صراط مستقیم پر آؤں۔ تو میں نے کلمۂ توحید کو سینے سے لگایا۔ صدائے حق پر لبیک کہی۔ اور رسول عربی کی صداقت پر ایمان لایا۔ مجھے مکۂ معظمہ۔ مدینۂ منورہ جیسے مقدس مقامات کی زیارت کا اتفاق نہیں ہُوا مگر آرزو ہے۔ کہ روح پرواز کرے۔ تو اس سرزمین پر۔ اے کم بخت تو ابھی تک وہی پرانے خواب دیکھ رہا ہے۔ تو نے ہماری جرأت نہیں دیکھی۔ ہماری اخوت کو نہیں سمجھتا۔ ہم وہ ہیں۔ کہ آج ان تمام حدود میں ہمارا کلمہ پڑھا جا رہا ہے۔ ہم وہ ہیں۔ کہ ہمارے ہاں امیر اور فقیر سب ایک ہیں اسی مساوات نے ہم کو یہ عزت دی۔ کہ آج دنیا کی بڑی سے بڑی قومیں ہمارے سامنے سرنگوں ہیں + افسوس ہے تیری حالت پر۔ کہ ایک بے بس عورت کے سامنے خنجر نکالے کھڑا ہے۔ اور زندگی کے سامنے موت کی پروا نہیں کرتا"۔

ہمدان پر اس وقت سہ آتشہ نشہ سوار تھا۔ شراب۔ فتح اور عشق۔ شراب کا اثر تھا۔ فتح کی خوشی تھی عشق کا بھوت تھا۔ قاصد کے آخری فقرے کی تاب نہ لاسکا۔ اور یہ کہہ کر تلوار ماری

"قاصد کا قتل جائز نہ ہو۔ مگر ایسا گستاخ ہرگز زندہ نہ رہنا چاہئے"۔

قاصد بے خبر تھا۔ مگر سنبھلا اور سپر پر وار روکا۔ مگر ہمدان غصے میں آگ ہو رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے سپر چھین لینا چاہتا تھا۔ کہ قاصد نے منہ پر نہایت زور سے سپر ماری۔ اور فوراً تلوار چھین لی۔ ہمدان خنجر نکالتا تھا۔ کہ قاصد نے کمر میں ہاتھ ڈال کر گھسیٹ لیا۔ دیر تک زور ہوتا رہا۔ آخر کار ہمدان نیچے گرا۔ اور گرتے ہی قاصد نے خنجر بھونک دیا + ابیلا کچھ کہنا چاہتی تھی۔ کہ قاصد گھوڑا چھوڑا اپنے لشکر کو روانہ ہوگیا۔ ابیلا نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر ماژندران کو چلی +

۲۲

چاندنی رات ہے۔ درختوں کے پتے اور جنگل کا سبزہ قندیل قدرت سے جگمگا اٹھا۔ ہوا سرد ہے جس نے رسیلی آنکھوں کا نشہ اور تیز کر دیا۔ ملکہ ایبلا کو کامیابی کی یہ گھڑی۔ اطمینان کی یہ ساعت اور خوشی کا یہ وقت جو آج میسر ہے۔ تاریخ ایبلا میں اس سے پہلے نصیب نہیں ہوا۔ دو گھوڑوں پر دونوں عاشق و معشوق زخمی اور ملکہ سوار ہیں۔ مُرخ مازندران کی جانب اور نگاہیں ایک دوسرے کی صورت پر۔ چلتے چلتے ملکہ نے مُسکرا کر کہا:۔

ایک بات تو بتاؤ۔ کئی مرتبہ مجھے تمہاری موجودگی کا شبہ ہوا۔ لیکن اب تک ٹھیک معلوم نہ ہوسکا۔ اگر واقعی تم کو ابھی تک اپنا نام و نشان بتانے میں تامل ہے۔ تو اتنا بتانے میں تو کوئی گناہ نہیں۔ کہ مازندران کے معرکے میں نقاب پوش سوار کون تھا؟ دریا کے پانی میں وہ بے حس و حرکت تصویر کس کی تھی؟ اور اگر میری آنکھیں دھوکا نہ کھا رہی ہوں۔ تو یہ آج قاصد کون تھا؟

زخمی۔ اگر یہ خیال کہ ہر جگہ میں تھا میرے واسطے کچھ مفید ہو۔ اور سرکار حُسن میں میری سفارش کر سکے۔ تو میں قطعی ہیں اور واقعی ہیں۔ اور اگر خدانخواستہ مضر ہو۔ اور دربار محبت سے غصے کا انعام ہے۔ تو ہرگز نہیں۔ بے شک نہیں اور یقینی نہیں!

ملکہ۔ اچھا تم یہ تو بتا دو۔ تمہارا مذہب کیا ہے؟

زخمی۔ جو تمہارا وہی میرا۔ اور جو میرا وہی تمہارا۔

ملکہ۔ اگر اس وقت تم قاصد کی حیثیت میں تھے۔ جہاں ہمدان کو قتل کیا۔ تو تم مسلمان ہو۔

زخمی۔ یوں ہی۔ تو پھر تم بھی مسلمان ہو۔

ملکہ۔ میں تو نہیں ہوں۔

زخمی۔ بس تو میں بھی نہیں ہوں۔

ملکہ۔ یہ کیا غضب ہے۔ تم بات صاف کیوں نہیں کرتے۔ آخر مسلمانوں کا مذہب کیا ہے۔ کیا وہ ہر سلطنت کے دشمن ہیں۔ سب کو برباد کر رہے ہیں۔

زخمی۔ ہاں دیکھو تو میں یہی کہہ رہا ہوں۔ چلو کچھ اور باتیں کرو۔

ملکہ۔ میرے پاس سوا جگر خراش باتوں کے اور کیا رکھا ہے۔ میری اپنی زندگی کچھ کم پُر لطف بات نہیں۔ کہ ایک اس کم بخت محبت نے کیا کیا کچھ دکھا دیا۔ جنگلوں کی خاک میں نے چھانی۔ قید خانے کی مصیبت میں نے جھیلی۔ باپ کا قتل میں نے دیکھا۔ بھائی کی لاش میں نے دیکھی۔

مگر آج تک ان تمام معاملات کے بعد بھی یہ نہیں معلوم۔ کہ انجام کیا ہوگا +

زخمی۔ ملکہ ابیلا۔ اگر میں اپنی داستان سناؤں۔ تو ان پیاری پیاری آنکھوں سے موتی گرنے لگیں۔ میں نے جب بادشاہ اور شہریار کا قتل سُنا ہے۔ تو دُنیا میری آنکھوں میں اندھیر تھی۔ میں تڑپا اور مجبور مضطرب ہُوا اور لاچار رہا + دیکھو چاند کس ڈھٹائی سے تمہارے حُسن کو نظر لگا رہا ہے۔ ہائے ہائے ذرا اس پھول کو دیکھنا تنِ تنہا اس شاخ کی گود میں کس طرح جھولا جھول رہا ہے۔ اگر میری کوئی خدمت قابل معاوضہ ہے۔ تو اس وقت اتنی اجازت ہو۔ کہ اس سرخ پھول کو ان سیاہ بالوں میں اپنے ہاتھ سے لگا دوں +

زخمی یہ کہہ کر گھوڑے سے نیچے اترا۔ پھول توڑا۔ ملکہ نے نیم وا آنکھوں سے جن کی تہ میں خفیف مسکراہٹ بھی تھی۔ گردن جھکا دی۔ اور زخمی نے پھول لگا کر کہا۔

"اے ملکہ پھول شرما رہا ہے"

ملکہ۔ ہاں۔ تو اب تم کو ماژندران میں قیام کرنا پڑے گا +

زخمی۔ نہایت خوشی سے۔

رات کا پچھلا پہر تھا۔ کہ دونوں ماژندران میں داخل ہوئے۔ فوج کے مسلح سپاہی سڑکوں پر کھڑے تھے۔ گھوڑوں کی آواز سُن کر پوچھا کون ہے؟

زخمی۔ ملکہ ابیلا والئے ماژندران دام اقبالہا!

سپاہیوں کے دستے نے چاروں طرف سے دونوں کو گھیر لیا۔ اور خیمہ شاہی میں جاکر اطلاع دی۔ کہ ملکہ ابیلا مع اپنے محبوب کے حاضر ہے + یزدگرد صبح سے ماژندران کا محاصرہ کئے پڑا تھا۔ سُنتے ہی باغ باغ ہوگیا۔ سپاہیوں کو اسی وقت انعام و اکرام سے مالامال کیا۔ اور حکم دیا۔ کہ ملکہ خوابگاہ میں داخل کی جائے۔ اور اس کے محبوب کا سر فوراً کاٹ کر ہمارے حضور میں پیش کرو +

باب دوم

کیوں کیوں، دنیا ے ناپائدار! آنکھ کی ایک گردش نے کیا کیا گل کھلاوئے۔ تف تف چرخ ستم گار! ایک چکر میں، کس کس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ تمہاری آنکھوں سے دیکھا۔ اور ہم کو دکھا دیا۔ کہ حیات انسانی اور اس کا ہر ذرہ آفات سے پُر، اور آلام سے لبریز ہے۔ تخت پر بیٹھنے والا، میڈیا، خاک میں لوٹا۔ آنکھوں میں رہنے والا شہریار، خون میں تڑپا۔ ایران کو جگمگانے والا چاند، سیستان میں قید ہُوا۔ مگر او دنیا ے ناپائدار! پھر بھی تیری آنکھ میں، اے چرخ ستمگار تیری تیوری پر بیل نہیں، بل نہیں، +

بتہ دے او جفا شعار! اپنی حقیقت کا۔ مقصد بتا او نابکار اپنی اصلیت کا۔ بتا اپنی غرض، بول اپنی غایت +

فیلوکس کی ہڈیاں خاک ہوں اور خاک تاراج و برباد، ملکہ ایبلا قید ہوا ور ناشاد و نامُراد مگر فرق نہ آئے او پیر زال تیرے سہاگ میں۔ اور کمی نہ ہو اے فلک پیر تیرے عشق میں، عجب ثم العجب دیکھنے دکھانے کے لائق حسین ناکام اٹھیں۔ اور قابل پرستش ہستیاں نامراد رہیں لیکن آنچ نہ آئے تو او سنگ دل تمہاری محبت میں۔ اور کمی نہ ہو تو اے ستم گار و تمہارے عشق میں +

ڈر لگتا ہے، او دنیائے ناپائدار، تیری عادت سے، خوف آتا ہے، او چرخ ستم گار تیری خصلت سے۔ تمہارے ظلم سخت۔ تمہاری کروٹیں آفت، تمہاری چال قیامت، تمہارے انقلاب مصیبت تمہاری آنکھیں آنسوؤں سے، تمہارے دل رحم سے محروم قطعاً، ناآشنا یقیناً +

ہاں۔ ہاں، دنیائے ناپائدار۔ ہاں۔ سامنے آ، آنکھ ملا، بات کر، جواب دے۔ بتا، اپنی ہستی کا انجام، اپنی ابتدا کی انتہا، یہ سنگ دلی، یہ سرد مہری، یہ بے اعتنائی و بے وفائی، یکتا، لاجواب بے مثل، بے نظیر +

تیرا منحوس چہرہ، جب پر وحشی اور جنگلی آباد تھے، تیری بھونڈی صورت جو ظالموں اور قزاقو کا مسکن تھی۔ تیری قابل لعنت ہستی، تیری لائق ملامت بستی، جن دلوں سے، رشک جنت اور گلزار ارم بنی، تو نے، ان سب کو خاک میں ملایا اور اُف نہ کی بھیک منگوائی اور آہ نہ کی، او احسان فراموش، شاہوں کے تاج، راجوں کے راج، تیری آنکھ کے سامنے، تیری نظر

کے رُوبرو، خاک میں رُلے، مٹی میں ملے، تو نے محسنوں کی بربادی ہنس ہنس کر، اور مالکوں کی اذیت کھل کھل کر دیکھی اور اپنا اصول ہاتھ سے نہ دیا +

چلکر کہا، کروٹیں لے کینچلی بدل، روپ بھر، مگر ایران کا احسان، تیری رگوں سے، ایران والوں کا کرم تیرے جسم سے، ان کا نمک تیری انتڑیوں سے، ان کا عروج تیری آنکھوں سے علیحدہ ہونا۔ جُدا ہونا۔ نکلنا۔ فراموش ہونا، مشکل، ناممکن، غلط، محال،

یہ کیا سوانگ ہے۔ عرب کے وحشی۔ ریگستان عرب کے بدو۔ جو کل تک ذلیل وخوار خستہ و خراب مارے مارے پھرتے تھے جن کو تو نے کبھی بھول کر بھی انسانوں میں جگہ نہ دی۔ جو کٹے مشرک، پکے کافر، پورے جواری، اور مشہور ڈھنڈہاری تھے آج مسلمان بن کر ہر طرف انسانیت کا جھنڈا اُڑا رہے ہیں +

کیا دکھا رہی ہے؟ او کٹھ پتلی! کائنات کی ذلیل ہستیاں معراج کمال پر!!! کیا دیکھ رہی ہیں آنکھیں، مشہور جاہلوں کی فصاحت بے مثل، مسلّمہ مکاروں کی صداقت لاجواب، بدیہی جانوروں کی انسانیت بے نظیر +

رات کو دن سیہ کو سفید، پتھر کو پارس، اور کنکر کو ہیرا بنا دینے والی دنیا کہہ کیا کہہ رہی ہے۔ قیاس ٹھیک نہیں بیٹھتا، عقل کام نہیں کرتی، یقین اجازت نہیں دیتا کہ یہ انقلاب واقعہ ہے اور یہ تغیر بداہت۔ ایک تن واحد کی کوشش، ایک اکیلے متنفس کا وعظ۔ ایسی کایا پلٹ دے، اتنا رنگ بدل دے، کہ لُو کے جھکڑوں اور سموم کے تھپیڑوں سے وہ نغمے نکلیں کہ روئے زمین کی موسیقی سرنگوں ہو جائے۔ لات ومنات جیسے بُت توحید و رسالت کے ایسے گیت گائیں کہ بطحیٰ کی چوٹیاں اور فرات کی لہریں خلوص سے جگمگا اُٹھیں +

قسمیں کھا۔ حلف اُٹھا۔ زبان سے کہہ، آنکھوں سے دکھا۔ مگر سن کر بھی اور دیکھ کر بھی تامل ہے دماغ کو، قیاس میں ہے کلام کو، کہ ریگ کے تودوں سے آب زلال کے چشمے پھوٹیں اور سنگلاخ زمینوں سے سدا بہار پھول کھلیں +

مشکل کو آسان، محال کو ممکن، نیست کو ہست بنا دینے والی دنیا، معاف کر، غلط کہا، درگزر کر، نادرست کہا، دماغ جھوٹا، قیاس لغو، آنکھیں اندھی، اور عقل کور، تو نے کر دکھایا جو اچنبھا تھا اور کر ڈالا جو محال، اور آج وہ وقت ہے کہ خاک کے ذرے زمین کے کیڑے سطح زندگی پر چاند کی طرح چمک رہے ہیں، وحشی مسلمان بن کر جنگلی ایمان دار ہو کر ایک محض، ایک، انسان کے طفیل

مشرق سے مغرب تک حقانیت کے جھنڈے اُڑا رہے ہیں، یہ صرف ایک نام کے جینے والے۔ ایک دھن میں مست ہو کر اس وقت ایسے ہیں کہ تو جو اُن کے نام سے بیزار تھی اپنی تمام کائنات کو لے کر ان کے قدموں میں گر پڑی ✧

کیا ہے، اور کیا ہو رہا ہے، چند تنوں نے، مٹھی بھر انسانوں نے، گنتی کی جانوں نے آسمان سے زمین تک اور شمال سے جنوب تک تہلکہ مچا دیا۔ فقیر پیٹ سے پتھر باندھ کر گھر سے باہر نکلے اور سر بفلک عمارتیں چشم زدن میں ڈھا دیں، بتا، بتا، دنیائے ناپائدار، بتا، یہ کیا ہیں، اور کیا کر رہے ہیں۔ کون ہیں اور ان میں کیا ہے کہ انگلی کے ایک اشارہ سے آنکھ کی ایک گردش سے گردن کے ایک خم سے اُنھوں نے ان سلطنتوں کی جو صدیوں سے راج کر رہی تھیں ان محلوں کی جو آسمان سے باتیں کر رہے تھے بنیادیں ہلا دیں، علوم و فنون میں عقل و خرد میں، ایجاد و اختراع میں، قوت و طاقت میں، سارے جہان سے بازی لے گئے۔ فقیر امیر پر، اونٹ وزیر پر، قلیل کثیر پر، ایک، اور اسی ایک انسان کی بدولت غالب آگیا۔ کوئی بھید تھا، وہ آواز کوئی راز تھی جو سمجھ میں نہیں آتی، اس معمہ کو حل اور اس مشکل کو آسان کر اور بتا او ظالم بتا یہ افراد کیا ہیں۔ ان کا اٹھنا آندھی، ان کا چلنا بگولہ، ان کا آنا طوفان، ان کا گرنا بجلی، ان کی عادتیں راسخ، ان کے عقیدے پکے، اُن کی طبیعتیں صاف، ان کے دل پاک، یہ انسانیت کے نمونے، صداقت کے پتلے، دیانت کی تصویر، دشمن کے قاتل دوست کے شیدا، مروت کے عاشق محبت میں صادق، اسلام ان کا کام، مسلمان ان کا نام ✧

قربان اس نام کے جو یہ جپ رہے ہیں، نثار اس ہدایت کے جو ان کو ملی، اور فدا اس یقین کے جو ان کے دل میں ہے، عیسےٰ سے آگے تھا خاک عرب سے اٹھنے والا جو خود مر کر ان مردوں کو جلا گیا، فرشتے سے زیادہ تھا کالی کملی والا، جو تخت و سلطنت پر لات مار غلاموں کو بادشاہ بنا گیا ✧

نصرت اُن کے قدموں میں فتح اُن کے جلو میں کامیابی اُن کے ہاتھ میں اور انسانیت اُن کی بات میں ✧

محفوظ رکھے خدا تیرے جلووں سے، او بیر زال تیرے کرشموں سے، او ناپائدار تیری عنایتوں سے، تو آج جن کا کلمہ پڑھ رہی ہے جن کے سامنے سرنگوں ہے جن کے جاہ و جلال اور نصرت و اقبال کے گیت تیرا چپہ چپہ اور کونہ کونہ گا رہا ہے جن پر تو فخر کرتی ہے جو تیرے واسطے مایۂ ناز

ہیں کل تو ان سے نفرت کرے گی، فرنٹ ہوگی، ان کے ادبار و نکبت پر، ان کے افلاس ومصیبت پر آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گی۔ یہ تجھے سجدے کریں گے اور تو بیزار، تجھے ان کے خیال سے ننگ اور نام سے عار ہوگی۔ یہ تیرے سامنے ذلیل وخوار ہوں گے اور تیری پیشانی پر بل نہ آئے گا ؞

کچھ نہ کر مگر، اتنا کرم، زیادہ نہیں صرف اس قدر احسان، کہ ان مسلمانوں کے کان میں اتنا کہہ دے کہ تم جو اس وقت قادسیہ اور بابل نینوا اور ایران چاروں کھونٹ اپنا سکہ جما چکے تم نے اسلام کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجا دیا۔ تم جو آج ہر قوم کو ہر مذہب کو ہر ملک کو ہر گروہ کو ہر رنگ میں اور ہر ڈھنگ میں درشن دے رہے ہو کل تم کو بھیک مانگنی ہے۔ تمہاری زندگی جانوروں سے بدتر اور وحشیوں سے ابتر ہوگی ؞

نہیں، حسینۂ سیر زال تیرا قصور نہیں تو بے خطا ہے تو گری اُن پر جو تجھ سے بھاگے اور روحانیت کو کلیجہ سے لگا کر رہتے ہوئے، اور کچل دیا ان کو جو تجھ پر گرے اور روحانیت کو مسل کر اپنی مدد حرام سمجھی ؞

(۱)

تو نے اپنی آنکھ سے رات کو وہ سر دیکھ لیا جس نے تیری تمام اُمیدوں کو ختم اور میری آرزوؤں کو زندہ کر دیا۔ اب اس کو جلانے والا کوئی نہیں مگر تجھ کو میرا ہمیشہ ممنون ہونا اور رہنا چاہئے۔ کہ ماژندران کی سرزمین میرے طفیل تیرے محبوب کو آغوش میں لئے ہوئے ہے تو اس کی قبر کو دیکھ کر اپنا دل ٹھنڈا اور آنکھیں روشن کر سکتی ہے مگر اس شرط پر کہ تو میری آرزو پوری کرے اور جو آگ آج چار سال سے میرے سینے میں سلگ رہی ہے اور جس نے میرے تمام بدن کو جلا اور جھلسا رکھا ہے۔ رحم کے پانی سے اس کو چھینٹا دے اور بجھا دے۔ جس شخص کے آگے آج تمام ایران کا سر جھکا ہوا ہے جس کی عنایت کے بڑے بڑے فرماں روا اُمیدوار ہیں۔ وہ پورے تیرہ گھنٹے سے تیری خوشامد میں سرگرم اور التجا میں مصروف ہے۔ تیرا محبوب مر گیا مگر اس کی موت تجھے بتا گئی کہ میں فیلوکس نہیں ہوں میں وہ ہوں جو چشم زدن میں ماژندران کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں اور ادنٰے اشارے سے اس کی قبر تک تاراج و برباد کر دوں میں وہ نہیں ہوں جس کے پنجہ سے تو نکل سکے میں وہ نہیں ہوں کہ تجھے قید کر دوں اور چھوڑ دوں میں وہ نہیں ہوں کہ تیرے انکار کو تسلیم کر لوں اور خاموش ہو جاؤں۔ میں وہ ہوں کہ تجھے زندہ رکھوں مگر مُردے سے بدتر۔ میں وہ ہوں کہ ایک معمولی حکم سے تجھ کو اس قابل بنا دوں اور اس

لایق کر دوں کہ کتے اور کوے بھی تجھ پر نہ تھوکیں +

ابیلا۔ ہاں میں نے رات کو وہ سر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا جس کو تیرے حکم نے تن سے جدا کیا۔ میں نے وہ لاش دیکھ لی جو خون میں تڑپتی ہوئی میرے پیش نظر تھی۔ اب دنیا کی ہر مصیبت میرے واسطے راحت اور ہر اذیت میرے لئے نعمت ہے۔ تکلیف کا احساس اذیت کا خیال کلفت کا اثر اسی دم تک تھا۔ اب جب تک یہ روح اس جسم میں موجود ہے۔ اس کی یاد میں رونے اور خیال میں تڑپنے کو فراقِ دوست بجائے خود نہایت پر لطف ہے۔ اور گو شہنشاہ تو اس خیال سے اتفاق نہ کرے۔ مگر اس لطف کا واسطہ اُمید سے ہے۔ امید جس قدر کم ہو لطف اسی قدر زیادہ ہے۔ اور جب امید منقطع ہوئی تو لطف مکمل ہے تخیل زندگی کی ہر ضرورت کو فراموش کرنے کے بعد جب ایک شے میں غرق ہو گیا تو وصل جس کے واسطے وصال لازمی ہے مشکل نہیں یہ درست کہ وہ زندہ نہیں ہو سکتا مگر اس کی زندگی میں جس چیز کی متلاشی تھی وہ موت سے مُیسّر آگئی۔ بے وقوف ہم کو عقل اور موت ہم کو جینا سکھاتی ہے۔ وہ اب تک سب کا تھا مگر اب صرف میرا ہے۔ میں ایک لمحہ کے واسطے بھی اس کو اپنے پاس سے نہ جانے دُوں گی۔ رہا شہنشاہ تیری آرزوؤں کا زندہ ہونا ہوں شوق سے ہوں۔ ایک نہیں ہزار ہوں۔ اور ایک بار نہیں ہزار بار ہوں۔ مگر جتنا تعلق میری ذات سے ہے وہ غلط۔ توقع غلط اُمید غلط خیال غلط ہیں۔ دیکھنے میں زندہ مگر درحقیقت مردہ ہوں میں مُردہ میرا دل مُردہ میری اُمنگ مُردہ مردہ کسی زندہ کو کیا زندہ کرے گا۔ ہاں اس کی صحبت موت کی طرف دھکیلے گی۔ اس خیال کو چھوڑ کر مجھ کو آزاد کر اور اجازت دے کہ باقی وقت یادِ دلدار میں مزارِ محبوب پر بسر کر دُوں +

یزدگرد۔ موت نتیجہ حیات ہے۔ کوئی زندگی اس سے محفوظ اور کوئی سانس اس سے محروم نہیں یہ مصیبت بھی ہے اور نعمت بھی۔ اس وقت تیرا صدمہ تازہ ہے اور اسی کا اثر یہ الفاظ ہیں۔ جو تیری زبان سے نکلے اور نکل رہے ہیں جو تو کہتی ہے یہ سب نے کہا اور کہتے ہیں مگر اس کا پُورا ہونا تو مشکل کسی سے ہُوا نہ ہوگا۔ یہ قدرت کے انتظام ہیں۔ ہوئے اور ہو گئے۔ تو غلطی پر ہے کہ اس صورت کو جو ایران بھر میں اپنا جواب نہیں رکھتی اور جس کی مجھ جیسا جلیل القدر شہنشاہ قدر کر رہا ہے خاک میں ملاتی ہے۔ اس وقت تک تیری حکومت میری باج گزار تھی۔ راج برائے نام ورنہ میری محتاج۔ اب تجھ کو وقت وہ حکومت دے رہا ہے۔ ایک دنیا تیری اطاعت کے آگے سر تسلیم خم کرے گی۔ کیا تو اس خیال کی کچھ وقعت نہیں کرتی کہ میرے پہلو میں بیٹھ کر ایران کی ملکہ ہو گی +

اور اتنی لاکھ آدمیوں کی جان تیرے قبضۂ قدرت ہیں۔ کیا تو نے یہ نہیں سُنا کہ میں نے اپنی حقیقی بہن کو اس کے انکار کی وہ سزا دی کہ تمام ایران تھرا اٹھا اور متواتر چالیس روز تک اس کا ایک ایک عضو جُدا ہوتا رہا۔ میں وہی یزدگرد ہوں مگر مجھے تیری صورت پر رحم آتا ہے اور سمجھتا ہوں کہ اپنی حالت پر صورت پر جوانی پر ترس کھا اور کہ جو کہتا ہوں مان جو التجا کرتا ہوں۔ ورنہ یاد رکھ انسان نہیں حیوان نہیں بے جان زمین اور انجان آسمان تیری سزا پر دہشت کے آنسو گرائیں گے۔ پرند تھرائیں گے چرند لرزیں گے اور یہ تیری پیشانی جس پر اس وقت بل پڑ رہے ہے۔ عاجزانہ میرے حضور میں جھکے گی۔ مگر ایسلا میں وہ یزدگرد ہوں کہ حکم کے بعد اور تجویز سے پیچھے کوئی طاقت اور کوئی میرا خیال تبدیل نہیں کر سکتا ؂

ایسلا۔ شہنشاہ کا فرمانا درست اور بہت ممکن ہے کہ یہ خیال صحیح ثابت ہو مگر موت نے جو آگ میرے دل میں لگائی اور اور جس طرح غریب الوطن جری کے فراق ابدی کے شعلے میری آتش محبت کو بھڑکا رہے ہیں۔ ان کو دیکھ کر مجھے اُمید نہیں کہ کوئی رو اس کو ٹھنڈا کر دے۔ شہنشاہ پانی آگ کو بجھاتا بھی ہے اور بھڑکاتا بھی ممکن ہے زمانہ اس کی یاد میرے دل سے بھلا دے لیکن ایسا ہُوا تو مجھے تعمیل ارشاد میں کیا عذر مگر اس وقت کی حالت یہ ہے کہ صرف ایک آرزو نے اس دل کو جس نے جذبۂ محبت پر باپ اور بھائی دو قربانیاں چڑھا دیں۔ اس زبان کو جس نے فیلوکس اور ہمدان دونوں کو کتے کی طرح جھڑک دیا۔ اس جسم کو جس نے سیستان کے قید خانہ میں فیلوکس کا سر قدموں میں ڈلوا لیا اس قدر مجبور ایسا لاچار اور اتنا کمزور کر دیا کہ سن رہی ہوں اور خاموش کھڑی ہوں اور سرنگوں۔ یہ وہی آرزو ہے جو تیرے سامنے اُف نہیں کرنے دیتی جس نے دل بند زبان خاموش اور جسم ساکت کر دیا۔ صرف اس توقع پر کہ یہ آرزو پُوری ہو اور ایک دفعہ محبوب کی قبر گلے سے لگالوں۔ تیرا غصّہ گوارا اور خشونت قابل برداشت ہے۔ شہنشاہ میں نے تکمیل آرزو کی قیمت کم نہیں دی۔ اجازت دے یزدگرد کہ جاؤں اور اس قبر سے لپٹوں جس میں ایک بے گناہ پردیسی میرا محبوب میرا آقا میرا مالک میرا محسن ابدی نیند سو رہا ہے ؂

کون کہہ سکتا ہے کہ فراست تھی یا حماقت شرافت تھی یا ذہانت مگر نتیجہ یہ تھا کہ ایسلا جنگی حراست میں قبرستان پہنچی آفتاب کی طاقت بہت کچھ گھٹ چکی تھی اور حرارت کا اثر بہت ہی کم تھا۔ چڑیاں سرسبز درختوں پر روز روشن کا نالہ وداع پڑھ رہی تھیں۔ ایسلا نے دروازہ میں قدم رکھتے ہی گردن خم کی اور آگے بڑھی۔ قبروں کی مسلسل قطار آنکھ کے سامنے اور زندگی کا خوفناک

انجام پیش نظر تھا۔ ایرانی سنبل اور ماژندرانی صنوبر کے گلہائے رنگین مٹنے والوں کے سینہ پر پڑے تھے۔ خربیت کی شاداب بیلیں اجسام فانی کے قدموں میں لوٹ رہی تھیں۔ ملکہ چاروں طرف دیکھتی بھالتی چلی جا رہی تھی کہ ایک قبر کی کشش نے نگاہ بھٹکائی اور پاؤں ٹھٹکائے یہ ایک شیر خوار بچہ کا مدفن تھا جس کے اوپر بچہ کا مجسمہ سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا۔ برابر ہی ماں کی تصویر تھی جو ہاتھ بڑھا کر اپنے معصوم کو گود میں لینا چاہتی تھی۔ ننھی سی ہستی ماں کی خواہش سے متاثر ہو کر صرف اس قابل تھی کہ ہاتھ اٹھا سکے اور ہمک کر گود میں جانے کا قصد کرے۔ مگر بچہ کی کوشش اور ماں کی خواہش میں موت حارج ہوئی اور دونوں ناکام رہے۔ ان جذبات کی کیفیت اس خوبصورتی سے ادا کی گئی تھی کہ ملکہ ایک قدم آگے نہ بڑھ سکی اور ایک ٹھنڈا سانس بھر کر بچہ کو پیار کیا۔ اور ماں سے کہنے لگی۔

"بی بی تو جو کچھ کہہ سچی ہے"

آگے چلی تو محافظ فوج کے افسر نے ایک تازہ قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ ہے۔ قبر کو دیکھ کر اِدھر اُدھر دیکھا اور کہا مجھ کو اس مجمع میں تو آنے کی ضرورت نہ تھی اگر میں آزاد نہیں ہوں تو بس چلو لے چلو۔ قبر پر ایک نظر اور ڈالی۔ دل کی کیفیت جو کچھ ہو آنکھ میں آنسو نہ تھا۔ قبر کو ہاتھ لگایا تھوڑی سی مٹی اٹھائی آنکھوں سے لگائی۔ اور واپس آگئی۔

(۳)

مسلمانوں کی جری فوج جس کا زبردست ہتھیار صرف صداقت ہے۔ بابل میں جہاں چھ صدی سے کسی متنفس کی زبان پر خدا کا نام نہ آیا تھا۔ پانچ وقت باآواز بلند توحید کا ڈنکا بجا رہی ہے۔ وہ سپہ سالار اعظم سعد جس نے قریباً اٹھارہ سو میل مربع میں اسلام کا جھنڈا گاڑا، پیوند کا نہرٹ باندھے خاموش بیٹھا ہے کہ سامنے سے غبار اُٹھتا ہوا دکھائی دیا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ ہرمز والئے ہرسن جس نے اسلام قبول کر لیا ہے کسی ضروری کام کے واسطے آیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہرمز سامنے آیا سلام علیک کے بعد مصافحہ کیا اور عرض کرنے لگا۔

میں مسلمان ہوں اور مجھے یہ حق حاصل ہے کہ اپنی مصیبت میں دوسرے مسلمان بھائیوں سے مدد لوں۔ خدا کا واسطہ اور رسول کا طفیل اس وقت میری مدد کیجئے اور مصیبت سے چھٹکارا دلوائیے۔

سعد۔ بے شک ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جس وقت کسی دوسرے مسلمان بلکہ انسان کی تکلیف سنے تو رفع کرنے کی کوشش کرے۔ تم ہمارے بھائی ہو اور اتنی دور سے تھکے ہارے آ رہے ہو پہلے ہاتھ

دھوؤ اور جو کچھ خدا نے دال دلیا دیا ہے وہ ہمارے ساتھ کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو جس نے ہم کو یہ نعمت دی۔ اس کے بعد اپنی ضرورت بیان کرو ہم ضرور مدد دینے کی کوشش کریں گے۔

ہرمز۔ میری مصیبت نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے۔ مجھے کھانے کا ہوش ہے نہ پینے کا۔ بھوک اور نیند سب اڑ گئی۔ آپ اتنا احسان کیجئے۔ کہ میری درخواست منظور فرما کر میری مدد کو اٹھئے اور میرے زخم پر مرہم رکھئے۔

سعد۔ یہ کیفیت ہے تو تم فوراً بیان کرو۔

ہرمز۔ آج پانچ سال سے کلیجہ میں ایک زخم ہے۔ جو اب بڑھتے بڑھتے ناسور ہوگیا۔ اور اب اس ناسور میں وہ چپک اور کسک ہے کہ جان اجیرن اور جینا وبال۔ ماژندران کی ملکہ ابیلا جس کے حسن کا شہرہ اس وقت روئے زمین پر ہے اور جو آج یزدگرد کے قبضہ میں ہے۔ وہ حسینہ ہے۔ جس کے فراق نے مجھ کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔ اس لئے میری درخواست ہے کہ آپ اپنا حملہ تبدیل کیجئے۔ اور بجائے اس طرف جانے کے ماژندران پر حملہ کیجئے۔ اور یزدگرد کو اس کے کردار کا مزہ چکھا کر ابیلا کو میرے حوالہ کیجئے۔ مجھ پر اسلام کا یہ وہ احسان، وہ کرم اور وہ انعام ہوگا۔ کہ میں اور میری نسلیں اس سے سبکدوش نہیں ہوسکتیں۔ میری حالت خراب ہے مجھے جینا عذاب ہے اور سوا اس صورت کے مجھے کوئی دوسری چیز نظر نہیں آتی۔ مجھے یقین ہے کہ میرا اسلام اس آڑے وقت میں میرے کام آئے گا۔ اور اس مصیبت سے نجات دلوائے گا۔

سعد۔ تم نے اسلام کا اندازہ کرنے میں غلطی کی۔ ہمارا حملہ صداقت کی حمایت ہے۔ نفسانیت نہیں جس صورت نے تم کو دیوانہ بنا دیا وہ ہماری نگاہ میں کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ ہم میں ہر کنیز ابیلا اور غلام یزدگرد ہے۔ ہم خدا کے غلام ہیں اور خدا کا کام کرنے کو گھر سے نکلے۔ یزدگرد پر اگر اس نے اسلام قبول نہ کیا تو ہمارا حملہ ضرور ہوگا۔ مگر حصول مقصد ابیلا نہیں۔ اسلام سے اگر ہم میں یہ نقائص پیدا اور یہ عیوب موجود ہو جائیں تو چند روز میں ہمارا نام صفحہ ہستی سے مٹ جائے اور تمہاری طرح ہم بھی برباد ہو جائیں۔ مجھے افسوس ہے کہ تم نے اسلام کو مطلق نہ سمجھا اور اس لئے مسلمان ہوئے کہ ہم تمہاری نفسانی خواہشوں میں معاون ہوں۔ تمہاری امید غلط اور توقع فضول ملکہ ابیلا فتح کے بعد اگر ہمارے قبضہ میں آئی بھی تو ہم اس کی عزت کریں گے اس کو یہ سزا نہ دینگے کہ تمہارے سپرد کردیں۔

ہرمز۔ میرے دل کی جو کیفیت ہے۔ میں اس کو الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔ اب اگر زیادہ نہیں

تو تھوڑی سی فوج مجھ کو دے دیجئے تاکہ دشمن پر رعب بٹھا کر اپنا کام نکال لوں +

سعد۔ یہ خدا کے نیک بندے محض خدا کی راہ پر اپنی جانیں قربان کرنے کو وطن سے نکلے ہیں انہوں نے اپنا گھر بار اپنے عزیز و اقارب اپنے بال بچے صدائے حق پر فدا کر دئے جس وقت تک اُن کا نصب العین حقانیت ہے یقیناً خود حق ان کی صدا پر لبیک کہے گا۔ قدرت ان کی آواز کی تائید کرے گی۔ اور فتح ان کے گھر کی لونڈی ہو گی۔ لیکن جس وقت ان کا خیال تبدیل ہو گا۔ دُنیا اُن کے پیچھے لپٹے گی اور خدا کے کام برائے نام رہ کر ان کی ذاتی اغراض وابستہ ہو جائیں گی۔ اس وقت ان کی کامیابی ناکامی سے، فتح شکست سے، اور عزت ذلّت سے تبدیل ہو جائے گی۔ ان کا بھرم ان کی وقعت، ان کا شہرہ اسی وقت تک ہے جب تک حرب مقدس کا طوق ان کی گردن میں موجود ہے ان میں سے ایک شخص بھی اس حملہ میں شریک نہیں ہو سکتا جس کی غرض ایک عورت کا حصول ہو +

ہرمز۔ تو اب آپ سے اس قدر التجا ہے کہ میری فتح کی دعا کیجئے +

سعد۔ تمہاری یہ درخواست بھی افسوس منظور نہیں ہو سکتی۔ تم نے اب تک اسلام کو نہ سمجھا حالانکہ تم مسلمان ہو چکے ہو جس فعل کو ہم خود اچھا نہیں سمجھتے اور انجام دینے پر رضامند نہیں۔ اس کے واسطے دعا کرنا بھی ہمارا شیوہ نہیں۔ اگر ہم تم کو مدد کا مستحق سمجھتے تو ہرگز انکار نہ کرتے جب تم کو مستحق ہی نہیں سمجھتے۔ تو دعا کیوں کریں +

(۳)

خاموش زبان سے ملکۂ ایبلا اپنے محبوب کی قبر پر تن تنہا ساکت بیٹھی ہے۔ پیشانی پر بل ہے نہ آنکھ میں آنسو۔ لب پر آہ ہے نہ منہ سے نالہ۔ مگر آنکھ استغراق خیال اور چہرہ جذبات قلب کا پتہ دے رہے ہیں۔ بیرونی حالت جس کا بڑا حصہ خموشی ہے اندرونی کیفیت کا آئینہ ہے۔ موسم گرم ہے اور صبح کا سہانا وقت۔ کچھ سوچا۔ اٹھی چلی ٹھٹکی اور پھر پلٹی۔ قبر پر ہاتھ پھیرا آنکھوں سے خاک لگائی۔ اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا۔ عالم سنسان تھا اور ایک ایسی خموشی چھائی ہوئی تھی جس کو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے بلبل کا نغمہ توڑ رہا تھا اور یہ وہ چھینٹا تھا جس نے آتش فراق کو اور بھی بھڑکا دیا۔ پھر چلی آگے بڑھی تیز ہوئی اور اس درخت کے نیچے پہنچی جس کی شاخ پر طائر خوش الحان تڑپ تڑپ کر چہچہا رہا تھا +

ہاں ہاں، بلبل خوش الحان، تو جانور مجھ انسان سے بہتر تو فنا فی المجبوب ہو کر ساری دُنیا

کو مرغوب ہوا، میں شان محبوبیت کو ترستی ہوں۔ تو مجسم محبوب ہے۔ تو نے فراق دوست میں ڈوب کر مسئلہ ہمہ اوست کو حل کر دیا۔ زہے نصیب۔ بلبل خوش الحان زہے نصیب تجھے ہر جگہ پر ہر شے میں باغ میں جنگل میں شجر میں حجر میں پہاڑ پر دریا پر آسمان پر زمین پر جلوۂ محبوب نظر آ رہا ہے۔ مگر پھر بھی یاد دل دار تیرے دہن سے نام دوست تیری زبان سے فراموش نہیں +

"اڑ گئی، میری ہمراز، میرا خیال پسند نہ آیا اچھا"

مسکرائی، وہ ہنسی جو صدمہ کی حالت انتہائی تھی۔ قبر پر آئی۔ غور سے دیکھا ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور کہنے لگی +

تو بے وفا ہے دغا دی مجھ کو مصیبت میں ڈال تکلیف میں چھوڑا اطمینان و آرام سے بے خبر پڑا سوتا ہے۔ تیرے لبوں پر مسکراہٹ تیرے چہرہ پر شگفتگی اب تک موجود ہے۔ میں تجھے دیکھ رہی ہوں۔ تو میرے سامنے ہے۔ ہشاش بشاش ہے کوئی دکھ نہیں کوئی درد نہیں تو نے مر کر میرا ذیت ختم کر دی اور اب سو کر بیٹھی اور ابدی نیند کے مزے لے رہا ہے۔ تو نے مجھے دھوکا دیا مجھ کو یہ توقع نہ تھی کہ تو اس حال میں اس موقعہ پر اس طرح مجھ کو غیر کے سپرد کر اس بے دردی سے الگ ہو جائے گا۔ موت نہیں تیری خواہشوں کی تکمیل قبر نہیں تیری آرزوؤں کا مدفن مٹی کا ڈھیر نہیں تجھ بے وفا کا مسکن۔ کیوں بے وفا یہ بے اعتنائی دل کا بودا ارادے کا کچا زبان کا جھوٹا دل کا کمزور +

یہ کہہ کر ایلانے ایک چیخ ماری اور یہ کہتی ہوئی قبر سے لپٹ گئی +

نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ وفا کا حقیقی نمونہ محبت کی سچی تصویر بے گناہ محبوب، مظلوم انسان جو محبت کی کسوٹی پر الفت کے ترازو میں کامل اترا اور پورا رہا۔ مرا نہیں زندہ ہے گیا نہیں موجود ہے۔ میری آنکھوں میں میرے دل میں۔ اٹھ تیرے قدم چوموں آ تجھے بوسہ دوں +

چلتی تھی جھپٹتی تھی دور جاتی تھی پاس آتی تھی سجدے کرتی تھی آنکھیں رگڑتی تھی خود بخود کہنے لگی +

"یہ وہ نیند ہے جو ہشیار نہ ہو گی"

فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ توپ کی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی یزدگرد قبرستان میں تھا۔

"بس تڑپ چکی پیٹ چکی رو چکی"

محل کے بدلے قبرستان ... کی جگہ قبر اور عاشق کی بجائے اس کی ہڈیوں کا ڈھیر تھا۔ اور

یہ بھی ایک قسم کی کامیابی تھی۔ وہ کامیابی جو زندگی میں میسر نہ ہوئی۔ آزادی تھی اور کوئی چیز خیال کو بھٹکانے اور دل کو برمانے والی نہ تھی۔ مگر بزدگرد کی آواز معصوم چٹیا کے واسطے شکرے کا جھپٹا تھا۔ ڈری سہمی، مزار محبوب چھوڑا یا دل دار سے علیحدہ ہوئی اور ایک حسرت بھری نظر قبر پر ڈال کر ساتھ ہو لی ۔

(۴)

آفتاب عالم تاب ایک دو نہیں متواتر آٹھ روز تک شجاعانِ اسلام کے سروں پر چمکا۔ طلوع و غروب ہوا مگر بلتستان میں کوئی متنفس ان کے مقابلہ کو نہ آیا۔ کوفہ کی زیارت کے واسطے چونکہ وہ بیتاب تھے اس لئے یہ مختصر قیام کافی سمجھ کر سعد نے کوچ کا حکم دیا اور مسلمان حق کے نعرے لگاتے آگے بڑھے۔ پہلا پڑاؤ کوفی ہی تھا اور یہاں کا ہر ذرہ مسلمانوں کو استقامت کی ترغیب دے رہا تھا۔ یہاں سے فارغ تو اسی روز ہو گئے تھے اور دوسرے روز آگے بڑھ جانا چاہتے تھا مگر اس خیال سے کہ دشمن بزدلی کا الزام نہ لگائیں تین دن اور تین رات وہیں پڑے رہے چوتھے روز بہرہ شیر کی طرف کوچ کیا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں ایک رسالہ پورے کا پورا روز صبح اٹھ کر یہ قسم کھاتا تھا کہ جب تک ہماری جان میں جان ہے ایران پر آنچ نہیں آسکتی یہاں کسریٰ رہتا تھا اور ایک خوفناک شیر ببر جو اس سے کتے کی طرح ہلا ہوا تھا ہر وقت اس کے ساتھ پھرتا تھا اسی وجہ سے اس جگہ کا نام بہرہ شیر مشہور ہو گیا تھا۔ یہاں داخل ہوتے ہی مسلمانوں نے کلمۂ توحید اس زور سے پڑھا کہ زمین و آسمان دہل گئے۔ کسریٰ آگ بگولا ہو گیا اور اپنے محل سے باہر نکلا۔ شیر ساتھ تھا لشکر اسلام کو دیکھ کر زور سے دہاڑا اور جھپٹا۔ خیال یہ تھا کہ شیر کی صورت دیکھتے ہی مسلمان بھاگ جائیں گے اور واقعی شیر کی دہشت کچھ ایسی چھائی کہ سب خاموش تھے۔ یہ سماں دیکھ کر کسریٰ نے شیر کو للکارا اور اس نے حملہ کیا قریب تھا کہ وہ ایک آدھ آدمی کو چبا جائے کہ ہاشم تلوار لے کر آگے بڑھے۔ تلوار کی صورت دیکھتے ہی شیر اور بھی غضبناک ہو گیا اور جست مار کر ہاشم کے سر پر آیا مگر ہاشم نے ایک ایسا جچا تلا ہاتھ دیا کہ بیچ میں سے دو ٹکڑے ہو کر زمین میں گرا۔ شیر کے مرتے ہی کسریٰ آپے سے باہر ہو گیا اور رسالہ کو حکم دیا کہ فوراً ان مسلمانوں کی تکا بوٹی کر دو۔ اور جس بدبخت نے میرے شیر کو ہلاک کیا اس کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا دو۔ مسلمانوں کی سپاہ گری ان کی شجاعت ان کی جیت چھپی ڈھکی نہ تھی ان کی تلوار وہ بجلی تھی جس کا مفر نہیں وہ بلا تھی جس کی پناہ نہیں وہ آفت تھی جس سے چھٹکارا نہیں۔ ان کی فتوحات کا

چاروں طرف تہلکہ مچا ہُوا تھا۔ مگر اب تک جو کچھ تھا سُنا سُنایا۔ اب جو انہوں نے شبیر کا واقعہ دیکھا تو ہوش اڑ گئے اور کہا کہ جو شبیر سے نہ ڈرے وہ ہم سے کیا ڈریں گے۔ صاف جواب دیدیا۔ قسمیں اور وعدے قول اور قرار سب بادِ ہوائی نکلے۔ ہرچند کسریٰ نے غیرت بھی دلائی اور جوش بھی مگر پتھر کو جونک نہ لگی کسرے اسی پیچ و تاب میں غرقاب اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا کہ مسلمانوں کا قاصد سامنے آیا اور کہا:-

"ہم نے اب تک کسی معرکہ میں اپنی طرف سے پیشقدمی نہیں کی۔ مفتوحہ علاقے ہمارے اس دعوے کے شاہد ہیں کہ ہماری کوشش ہمیشہ یہ رہی کہ خلق خدا کی خون ریزی نہ ہو۔ تم نے خود دیکھ لیا کہ باوجود تمہاری اس بدتہذیبی کے کہ تم نے ہم پر بلا اطلاع شبیر چھوڑ دیا ہم نے اب تک تم پر ہاتھ نہ اُٹھایا اب ہم تم سے صرف اس قدر کہتے ہیں کہ ان لغویات کو چھوڑ کر جن میں تم گرفتار اور ان خرافات سے بچ کر جن میں سرشار ہو اس خدائے غفار و قہار کی عبادت کرو جو وحدہٗ لاشریک ہے۔ اگر تم اسلام قبول کرو تو ہمارے بھائی ہو اور ہم میں تم میں کوئی امتیاز نہیں اور یہی ہے وہ مساوات جو ہماری فتوحات کا راز ہوئی۔ اگر یہ قبول نہ ہو تو جزیہ دے کر اسلام کی حفاظت میں آؤ۔ اگر دونو باتوں سے انکار ہے تو میدان جنگ صداقت کا فیصلہ کرے گا"۔

کسریٰ ان الفاظ کی تاب نہ لا سکا اور حقارت سے قاصد کو جھڑک دیا۔ مسلمان اتمام حجت کر چکے تو دوسرے روز علی الصباح بہرہ شیر پر حملہ کیا۔ ہرچند کسریٰ نے مقابلہ کی کوشش کی۔ رسالہ کو انعام کی ترغیب اکرام کا لالچ نمک کا حق وطن کی محبت سب ہی کچھ سمجھایا مگر وہ نہ اُبھرنے تھے اور نہ ابھرے۔ مجبور شہر کے دروازے بند کر اندر خاموش ہو بیٹھا۔ سعد دو مہینہ تک محاصرہ کئے پڑے رہے۔ گردونواح کے رئیس صدائے حق کے آگے جھک گئے۔ مگر اہالیان شہر کے ضدی دماغ اور پتھر دلوں پر مطلق اثر نہ ہُوا۔ لیکن محاصرے نے ان کو پریشان ضرور کر دیا اور ان کو کسریٰ سے کہنا پڑا کہ آخر یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے کب تک بیٹھے رہیں گے معاملہ طے کرو۔ اِدھر یا اُدھر یہ جھگڑا کب تک۔ کسریٰ نے پھر ایک دفعہ دل ہلا دینے والی تقریر رسالہ کے سامنے اس زور سے کی کہ پتھر بھی ہوتا تو موم ہو جاتا۔ مگر ان بہادروں کے کان پر جوں نہ چلی۔ فارس تو فارس بہرہ شیر کی بھی حفاظت نہ کر سکے۔ بلکہ اپنے ساتھ سارے شہر کو قید کروا دیا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ رات کے وقت چوری چھپے باہر نکلتے مگر مسلمانوں کو ہشیار اور تیار دیکھ پھر دبک کر بیٹھ جاتے۔ رسالہ سے مایوس ہو کر کسریٰ نے رعیت کو آمادہ کیا۔ یہ بیچارے پہلے ہی پریشان اور جان سے ہاتھ دھوئے

بیٹھے تھے تیر برساتے ہوئے باہر نکلے۔ مسلمانوں کو یہ دیکھ کر عیب ہوگئی فوراً سامنے آئے۔ ان کے جوش کا یہ عالم تھا کہ جس وقت زہرہ نے زرہ پہنی تو کڑیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ سعد نے کہا دوسری زرہ پہن لو۔ اتنا سنتے ہی اُن کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور کہا میرا مقدّر ایسا ہے کہ حق کی حمایت میں تیر میرے جسم پر لگے۔ سعد نے اُن کو یہ سن کر گلے سے لگا لیا۔ اب لڑائی شروع ہوئی۔ خدا معلوم زہرہ کے الفاظ کس نیک گھڑی میں زبان سے نکلے تھے کہ اُن کی آرزو پوری ہوئی اور پہلا ہی تیر سینے میں آکر لگا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا مگر اُنہوں نے نکالنے نہ دیا اور کہا اس کے نکلتے ہی مر جاؤں گا کچھ خدمت اسلام کی کر لینے دو۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے مشہور پہلوان شہر زاد ان کے مقابلہ پر آیا مگر پہلے ہی وار میں ختم ہوا۔ اُس کے قتل ہوتے ہی لوگوں کے جی چھوٹ گئے۔ کچھ دیر ٹھیرے بھی مگر مجبور اور آخر کار بھاگ نکلے۔ جو رہ گئے اُنہوں نے صلح کا جھنڈا بلند کر دیا۔ اور حفاظت اسلام میں داخل ہوئے۔

بہرہ شیر کے بعد مدائن تھا جہاں دشمن کی فوج کا پورا اجتماع تھا اور مہینوں سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مدائن اور بہرہ شیر کے مابین دریائے دجلہ پڑتا تھا اور اُس کا پار کرنا آسان کام نہ تھا۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ برسات شروع ہوگئی۔ اور اِس غضب کی کہ پل ٹوٹ کر سب پانی ہی پانی ہوگیا۔

(۵)

حسن کی ایک پتلی نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی یزدگرد کے پہلو میں بنی ٹھنی بیٹھی تھی۔ فالسائی رنگ کا حریری دوپٹہ جو سر سے ڈھلک کر کندھے پر آپڑا تھا زلف سیہ کو سجدے کر رہا تھا۔ پیازی گلاب کا ایک پھول مانگ کی بائیں جانب ترچھا لگا ہوا تھا جس کی پتیاں ہوا کی سرسراہٹ سے دریا کی لہروں کی طرح آپس میں لپٹ لپٹ کر رخ روشن پر فدا ہو رہی تھیں زمرّیں مالا گلے میں تھی جس کے خاموش دانے اور کاسنی ڈورا بہار شباب کے قدموں میں لوٹ رہے تھے عطر کی ایک کان تھی جس نے ہوا کو خوشبو سے مہکا دیا تھا۔ ملاحت کی ایک جان تھی جس کو ہر شئے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ یزدگرد کی بے تاب نظریں مشتاق نگاہیں قدرت کی اس نعمت پر جمی ہوئی تھیں۔ اُٹھتا تھا۔ سامنے آتا تھا۔ دیکھتا تھا اور کہتا تھا کس طرح اس تصویر کو کلیجہ میں رکھ لوں۔ ہٹتا تھا۔ پیچھے جاتا تھا۔ نظر ڈالتا تھا اور کہتا تھا کیونکر اس حسن مجسّم پر قربان ہو جاؤں۔ ایک نعمت ہے جو گھر بیٹھے۔ ایک دولت ہے جو مفت میں میرے ہاتھ آئی۔ اس جسم

کا ہر عضو اس کل کا ہر جزو بے مثل و بے نظیر ہے۔ ابیلا کی نگاہ نیچی تھی مگر نیچی نظروں سے جو ہو رہا تھا وہ دیکھ رہی تھی۔ جو کہہ رہا تھا وہ سُن رہی تھی۔ سامنے آیا۔ قدموں میں گرا اور کہا۔

"ملکہ اس صورت کی کیا قدر کروں"

دولت حکومت تخت سلطنت سب اس پر قربان اور سب اس پہ فدا۔ دل و جان کی مالک ابیلا ہزوگرد اس قابل نہیں کہ تیری عنایتوں کا تیرے احسانوں کا کچھ معاوضہ کر سکے۔ وہ تیرا غلام ہے۔ اور دنیا کی ہر خوشی تیرے بغیر اس پر حرام۔

ابیلا۔ درست بجا شکریہ احسان ٭

یزدگرد۔ کیا یہ صورت اسی کی سزاوار ہے کہ مُردوں کے سوگ میں مضمحل ہو۔ پھول کی پنکھڑیاں ناممکن توقع میں مرجھائیں اور جس امید کا پورا ہونا کسی حال میں ممکن نہیں وہ اس چاند سے مکھڑے کو رنجیدہ رکھے۔ چھ ہفتہ سے زیادہ ہو گئے۔ مگر اب تک تمہارا قبرستان کا پھیرا ناغہ نہیں ہوتا۔ آخر اس تن نازک کو کب تک یہ سزا دو گی ٭

ابیلا۔ میں شکر گزار ہوں۔ کہ شہنشاہ کی اجازت سے چند لمحے کے واسطے وہاں چلی جاتی ہوں صدمہ کا اثر جو اس وقت تھا اب نہیں ہے۔ اور رفتہ رفتہ یہ بھی زایل ہو جائے گا۔ اب میرا جانا برائے نام ہے ٭

یزدگرد۔ ملکہ اب تم اس میں کمی اور اس خیال کو دل سے دُور کرنے کی کوشش کرو مہ جبین ابیلا میں ایک لمحہ کے واسطے بھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ میری محبوبہ میری حسینہ میری ابیلا مکدر ہو مگر میں دیکھتا ہوں کہ گو تم نے اس صدمہ کو بہت کچھ بھلا دیا۔ پھر بھی تم کو جس وقت ہڑک اٹھتی ہے بے چین ہو جاتی ہو ٭

ابیلا۔ نہیں شہنشاہ یہ بات نہیں ہے۔ ایک اسی کا خیال کیا اور بھی بہت سی باتیں ہیں۔ باپ کی موت اور بھائی کا فراق بھی تو کچھ کم اذیت دہ نہیں ہیں ٭

یزدگرد۔ مگر جس صدمہ کا انجام روشن جس کوشش کا نتیجہ ظاہر اس میں گرفتار ہونا کھلی ہوئی نادانی ہے۔ میڈیا شہر یار اور وہ دلدار نہ تیوں اب کسی طرح زندہ نہیں ہو سکتے۔ اس تخت سلطنت پر اس سرزمین سے ایسی ایسی عورتیں بیٹھیں اور اٹھیں کہ سخت سے سخت صدموں اور مصیبتوں میں بھی ان کے پائے ثبات جگہ سے نہ سرکے اور انہوں نے ہر تکلیف کو صحرائی پانی کی طرح بہا دیا ٭

ابیلا میں شروع میں تو بے شک بہت متاثر تھی مگر اب وہ کیفیت نہیں ہے۔ اگر شہنشاہ کی خواہش یہی ہے۔ کہ میں قبرستان نہ جاؤں تو مجھے اس میں بھی عذر نہیں۔

"میں شہنشاہ کی ہوں اور میرا فرض ہے کہ شہنشاہ کو رضامند رکھوں"

ابیلا کی زبان سے یہ الفاظ کچھ اس طرح ادا ہوئے کہ ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں مسرت کے ہلکے دوڑے معلوم ہو رہے تھے۔ یزدگرد فوراً قدموں میں گرا۔ اور کہا میں اس شکل کا دیوانہ، اس صورت کا عاشق۔ اس ہستی کا بندہ ❋

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ خواب گاہ یزدگرد اس وقت نمونۂ جنت تھی۔ کمرہ خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔ زرنگار مسہری پر دیبا و حریر کے پردے تیز روشنی میں جھلاجھل کر رہے تھے کہ دو منزلے کے دروازہ میں ایک تصویر دکھائی دی جس کے قدموں میں یہ لکھا تھا

"ابیلا! محبت سے بعید ہے"

یہ ابیلا کا زخمی محبوب تھا جس کی گردن میں طوق۔ ہاتھ میں ہتھکڑی اور پاؤں میں بیڑیاں پڑی تھیں۔ دل تڑپا۔ طبیعت بے چین ہوئی۔ دیوانہ وار اٹھی اور ہاتھ پھیلا کر چیختی ہوئی یہ کہتی اسی طرف چلی ❋

"میں بے گناہ ہوں"۔

جب تک یزدگرد ادھر دیکھے وہ صورت غائب تھی۔ مگر اس منظر نے ابیلا کی حالت ردی کر دی۔ زبان خاموش تھی۔ مگر اندرونی حالت لمحہ بہ لمحہ ابتر ہو رہی تھی۔ ٹکٹکی اسی جگہ لگی ہوئی تھی۔ اور مختلف قسم کی کیفیات قلب پر طاری ہو رہی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ پھر ایک دفعہ یہ کہہ کر چلائی۔

"اے بے وفا میں بے گناہ ہوں"

اور بے ہوش ہو کر گر پڑی ❋

یزدگرد سناٹے میں تھا۔ اور سوا ان دروازوں کے کچھ پتہ نہ تھا۔ بہت کچھ غور کیا۔ مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ ابیلا کو ہوش میں لانے کی ہر چند تدبیریں کیں۔ اور سو تدبیروں کی تدبیر تو ایک خواب گاہ ہی کا وجود تھا جس کی مہک ہوشیار کرنے کو کافی تھی۔ مگر شہزادی اسی طرح بے شرت پڑی تھی۔ پریشان پھر رہا تھا کہ گھوڑے کی ٹاپ کی آواز کان میں آئی۔ اور ابھی حیران ہوا منتظر تھا۔ کہ وزیر جنگ کی اطلاع ہوئی۔ بلایا تو اس نے کہا۔

جو قوم ہماری طرح عیش و عشرت میں مصروف ہو۔ اس کا حشر جو ہونا چاہئے وہ ہُوا۔ بہرہ شیر ہاتھ سے نکل گیا۔ اور دشمن اس وقت سر پر ہے۔ صرف دجلہ بیچ میں ہے۔ جس کے کنارے پر پڑا پار ہونے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ رعیت حیران پریشان چاروں طرف بھاگ رہی ہے۔ یہ وقت غفلت کا نہیں ہے آج صبح خبر گئی تھی کہ پُل بن گئے اور مدائن کا رُخ ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اب تک مسلمان ہمارے گھروں میں پہنچ چکے ہوں گے۔ میں نے چاہا تھا کہ خاندان شاہی کی عورتوں کو اپنے ساتھ لے آؤں مگر بلا اجازت مناسب نہ سمجھا۔ فوج کے دلیر مسلمانوں کی وہشت کچھ ایسی بیٹھی ہے کہ سب کے جی چھوٹے ہوئے ہیں ٭

یزدگرد۔ تم نے خبر کرنے میں بہت غفلت کی۔ اگر قزاق مدائن میں داخل ہو گئے تو نہ صرف سلطنت کا خاتمہ ہُوا۔ بلکہ شاہی عورتیں بھی مصیبت میں پھنس گئیں۔ یہاں جس قدر فوج موجود ہے فوراً اس کو روانگی کا حکم دو۔ اور ایک حکم سپہ سالار شہبان کے نام روانہ کرو کہ تمام فوج یکدم اسی وقت مدائن حاضر ہو ٭

(۶)

سعد سپہ سالار افواج اسلامیہ کنار دریا پر کھڑے ہیں اور مسلمان پار جانے کے واسطے مضطر۔ دریا بلائے بے درمان کی طرح سامنے ہے۔ اور جس طرف نظر جاتی ہے صرف پانی ہی پانی دکھائی دیتا ہے کچھ پانی کا زور تھا۔ کچھ ایرانیوں کی بے ایمانی۔ کہ پُلوں کے ساتھ کشتیوں سے بھی دریا کو محروم کر دیا۔ یہ اضطراب دو گھنٹے سے زیادہ رہا۔ اس کے بعد سعد نے کہا۔

مسلمانو! اب صرف سر کی سوئیاں نکالنی باقی ہیں۔ تم نے اس وقت تک جو کچھ کیا اس کی قیمت کوئی زبان ادا نہیں کر سکتی۔ خدا کو تم سے اپنا کام لینا تھا لیا۔ اس سے زیادہ خوش نصیب زندگی اور اس سے بہتر مسلمان کون ہو سکتے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اچھے کاموں میں مَرے اور نیک باتوں میں جئے۔ اس میں شک نہیں کہ دریا ہمارے سامنے حائل ہے۔ مگر یاد رکھو جو دریا فرعون کو غرق کرنے والا تھا۔ وہ تم کو پار کرنے والا ہوگا۔ مدائن کی فتح اس مُہم کا انجام اور اس سعی کا تمام ہے

اتنا کہہ کر سعد نے نعرہ نصرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ اس زور سے لگایا کہ دریا بھی گونج اُٹھا ابھی فوج منہ ہی تک رہی تھی کہ سعد نے بسم اللہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ اور کہا مسلمانو آؤ اور دیکھو خدا اپنا وعدہ کس طرح پُورا کرتا ہے ٭

لشکر کے دل سعد کی تقریر ہی سے متاثر ہو چکے تھے۔ جب اُنہوں نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا

تواب تاب کہاں تھی۔ سب نے گھوڑے ڈال دئے۔ لاکھ جانیں نرغہ میں اور دریا قیامت ہو رہا تھا۔ مگر جس استقلال اور ہمت سے ہنس بول کر خشکی کا سفر طے کرتے تھے۔ اسی طرح دریا کو عبور کر گئے۔ ایرانیوں نے یہ رنگ دیکھا تو اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ تیر برسانے شروع کئے۔ اور اس کثرت سے کہ دجلہ تیروں کا دریا بن گیا۔ مگر شجاعان اسلام نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اور سعد مع تمام لشکر کے پار اُتر گئے۔ اس وقت ایرانی بھاگے۔ اور یہ کہتے ہوئے۔

"یہ آدمی نہیں جن ہیں"

یزدگرد کو اپنی شکست کا پہلے ہی سے یقین کامل تھا۔ اسی لئے اُس نے عورتوں کو حلوان بھیج دیا تھا۔ صرف دو تین وہاں موجود تھیں جس وقت اس کی فوج بھاگی اور مسلمان شہر میں داخل ہوئے تو اس کا دل بہت چاہا۔ خواہش ضرور پیدا ہوئی۔ کہ مدائن آسانی سے دشمن کے قبضہ میں نہ جائے۔ مگر فوج اس بُری طرح دُم دبا کر بھاگی کہ مقابلہ تو در کنار پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔ فوج کی یہ کیفیت دیکھ یزدگرد بھی شہر چھوڑ چل دیا +

سعد شہر میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا اور فتح کامل تھی۔ خدا کا شکر ادا کیا۔ اور ایوانِ کسرےٰ کی طرف چلے۔ سب سے پہلا کام یہ کیا کہ تخت شاہی کی جگہ منبر نصب کیا دوپہر ہو چکی تھی نماز پڑھی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو مسلمانوں نے اس جوش و خروش سے عراق میں پڑھا کہ ایوان کسریٰ کی دیواروں تک سے کلمۂ توحید کی صدائیں آ رہی تھیں +

مسلمانوں پر جو الزام لگائے جاتے ہیں کہ اُنہوں نے مفتوحہ ممالک میں بعض نادر و نایاب اشیا کو غارت و برباد کیا۔ اس کا پتہ اس سے چلتا ہے۔ کہ باوجود افسروں کے اصرار کے وہ مجسّم تصاویر جو ایوان کسرےٰ کی زیب و زینت تھیں۔ سعد نے مسمار نہ کیں۔ دو روز قیام کرنے کے بعد تیسرے روز حکم دیا۔ کہ تمام اشیاء ایک جگہ فراہم ہوں۔ دولت کے انبار رکھنے اشیا کے پہاڑ تھے۔ کیانیوں کے عہد سے اس وقت تک کے وہ بیش قیمت تحفے جو روئے زمین پر اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ سامنے آئے۔ ایک اونٹنی تھی جس کی جھول سونے کی اور مُہار جواہرات سے مرصع اور یاقوت کی لڑیاں منسلک۔ ناقہ سوار جس کے ہاتھ میں مُہار تھی۔ از سرتا پا جواہرات میں غرق خود زرہ اور تلواریں نعمان بن منذر بہرام چوبین اور سیاوش کی وہ یادگاریں تھیں جن پر ایران نے ہمیشہ فخر کیا۔ اور جن کا شہرہ عرب تک پہنچ چکا تھا۔ کسریٰ ہرمزا و رقباد کے خنجر بھی ملے جو تبرک کے طور پر کام آتے تھے۔ نوشیروان کا تاج شاہی جو سونے اور جواہرات

کا تھا۔ ایک گھوڑا بھی جس پر لعل و یاقوت کا زین کسا ہوا تھا اور جس کے سینہ پر یاقوت و زمرد جڑے ہوئے تھے پیش کیا گیا۔ ان چیزوں کے علاوہ ایک فرش بھی ملا جس کا نام بہار تھا اور یہ وہ تھا جس پر بیٹھ کر شراب پی جاتی تھی۔ اس میں بہار کے تمام سامان موجود تھے۔ اور صنعت یہ تھی کہ موسم خزاں میں بھی بہار کا لطف دیتا تھا۔ وسط میں چمن سبزہ زار تھا۔ چوگرد پکھراج و نیلم کا حاشیہ سونے چاندی کے درخت دیبا کی ٹہنیاں حریر کے پتے جواہرات کے پھل۔

جس وقت یہ تمام سامان رتی رتی سعد کے حوالہ کیا گیا تو فوج کی دیانت پر بیساختہ اُن کے مُنہ سے مرحبا نکلا۔ مال غنیمت کا پانچواں حصہ امیرالمومنین کی خدمت میں بھیج دیا گیا جس کے لادنے کو نو سو اونٹ بمشکل کافی ہوئے۔ باقی فوج میں تقسیم ہوا۔ اور ہر شخص کے حصہ میں بارہ بارہ سو درہم کا مال آیا۔

(۷)

میری آنکھوں نے وہ دیکھا جو دنیا کی کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ میرے کانوں نے وہ سنا جو کوئی انسانی کان نہیں سن سکتا۔ میری اُمیدیں غلط نکلیں۔ میری توقعات جھوٹی۔ میرا بھروسہ دھوکا۔ میرا یقین فریب۔ عراق کا بڑا حصہ فتح ہو چکا۔ اور اب تھوڑی سی کسر باقی ہے۔ جو فتح کامل کا سہرا ہمارے سر باندھ دے۔ اب سب اپنے اپنے وطن جاتے ہیں۔ اور خدا کا شکر ہے کہ گھر لوٹتے ہیں۔ اور اس کا احسان کہ ہنستے کودتے۔ مگر میں کیا کروں گا۔ اور کیا کرنا چاہئے۔ میرا وطن برباد۔ میرا گھر تاراج۔ میری خواہشیں پامال۔ میری آرزوئیں مردہ ہیں۔ لوگ ہشاش بشاش خوش و خرم جائیں گے۔ اور ملیں گے رہیں گے اور بسیں گے مگر میں اور صرف ایک میں وہ ہونگا جو کامیابی میں ناکام۔ خوشی میں رنجیدہ اور اطمینان میں مضمحل۔ میں اور صرف ایک میں ہی ہونگا جس کی آنکھ میں آنسو جس کے لب پر آہ جس کے سینہ میں ٹیس جس کے کلیجہ میں چبک ہوگی۔ میں نے اسلام جبر سے نہیں خوشی سے اور لالچ سے نہیں دل سے قبول کیا اور کلیجہ سے لگایا۔ اُس وقت بھی اور اب بھی جو سمجھا وہ کہتا ہوں اور جو جانا وہ سمجھتا ہوں۔ کہ اسلام مجموعہ حسنات ہے اور طیبہ جیسے مقدس مقام پر پہنچنا جہاں ہمارا دولہا خاک کی سیجوں پر آرام کر رہا ہے خوش قسمتی کی انتہا اور نعمت بے بہا ہے۔ مگر دل کی لگی کا کیا کروں۔ میرے پاؤں میں زنجیر ہے میرے رستے میں کانٹے ہیں۔ میرے دل میں درد ہے میرے کلیجہ میں ناسور ہے۔ میں اپنا راز فاش کروں۔ اپنا بھید کھولوں اپنی مصیبت سناؤں اپنی بپتا بیان کروں۔ سعد سمجھ دار انسان

سچا مسلمان ہے مجھے چھوڑ دے گا کہ ان جنگلوں میں مجھے اجازت دے گا کہ ان پہاڑوں میں تنہا بیٹھ کر خاموش رہ کر خدا کو یاد کروں۔ اور اس زخم کو جو بے وفا ظالم عیّار مکّار کی یاد ہے ہرا رکھوں۔ لیکن حقیقت کا اظہار۔ واقعہ کی اصلیت۔ میری آبرو اور عزّت کو۔ میری صداقت اور شرافت کو تباہ کر دے گی مسلمان کا یہ کام نہیں کہ خدا کو چھوڑ کر انسان سے، اور دین کو چھوڑ کر دنیا سے محبّت کرے۔ مگر نہیں میں بے قصور ہوں۔ میرے دل کی حالت فطرتی ہے۔ یہ میرے اختیار سے باہر۔ میری دسترس سے پرے۔ میرے قبضہ سے دُور اور میری قدرت سے الگ ہے میں نے اس وقت تک اپنے مذہب پر اپنی انسانیت پر اپنی زندگی پر اپنے دامن پر خود غرضی کا دھبّہ نہ لگنے دیا۔ ابیلا قدر کرتی غور کرتی دیکھتی اور سمجھتی تو واقعہ اس کو بتا دیتا۔ حالات اس کو سمجھا دیتے عقل اس کو دکھا دیتی اور معاملات اس کو سُنا دیتے کہ اس ناپاک سرزمین اور مکّار لوگوں کا ایک متنفس صرف اسلام کی طفیل ایسا نکلا کہ بستان کی سڑک پر ماژندراں کی جھونپڑی میں دریا کے کنارے پر پہاڑ کی چوٹی پر اندھیرے میں۔ اُجالے میں۔ دن میں۔ رات میں کہیں اور کسی موقعہ پر اس نے اسلام کے احکام کو ہاتھ سے نہ دیا۔ قول سے نہیں عمل سے اور زبان سے نہیں دل سے سمجھا اور یقین کیا کہ وہ طاقت وہ ہستی جو بغیر آنکھ کے اور بغیر ہاتھ کے اعمال و افعال کو دیکھ اور پرکھ رہی ہے میرے سامنے ہے +

نہیں نہیں میرا اسلام مسلمانوں پر دھبّہ نہ ہو گا۔ اسلام رہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا۔ عورتیں محبُوب خدا کی محبُوب ہیں۔ وقت اگر موقعہ۔ اور واقعات اگر ساتھ دیتے تو یہ محبّت حقیقت کے رنگ میں جھلکتی اور ابیلا کا حسن مجھ کو اللہ جمیل کے راستہ پر ڈال دیتا +

سعد۔ سعد کی ذات پر۔ سعد کے معاملات پر ان فتوحات کے بعد مجھ کو یہ حق حاصل ہے۔ کہ میں التجا کروں۔ اپنی حالت دکھا کر اپنی مصیبت سُنا کر درخواست کروں کہ اسلامی فوج میرے زخم پر مرہم رکھے۔ میرے دُکھ کا علاج کرے۔ میرے درد کی دوا کرے۔ میں جانتا ہوں ابیلا حلولا میں ہو گی۔ اور اگر زندہ رہی تو آج نہیں کل اور یہاں نہیں وہاں وہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئے گی۔ مگر نہیں نہیں ہرگز نہیں مجھے اب اس سے مطلق سروکار نہیں۔ وہ کیا وقت تھا جب میرے سامنے یزدگرد نے یہ حکم دیا کہ ملکہ کو خواب گاہ میں داخل اور اس کے محبوب کا سر کاٹ کر ہمارے سامنے پیش کرو۔ اگر میری کوشش اس وقت کارگر نہ ہوتی۔ اگر میری دُعا اس وقت خدائے برتر قبول نہ کرتا۔ اگر میری بیش بہا تلوار لالچ کے پردے، جلّاد کی آنکھوں

پر نہ ڈال دیتی تو اب تک میری ہڈیاں بھی گل کر خاک ہو چکی ہوتیں میرا خدا میرے ساتھ تھا میری تقدیر میرے پاس کہ میں نے اس ظالم سے رہائی پائی اور اس کے پنجے سے چھوٹا۔ مجھے اُمید نہ تھی مجھے یقین نہ تھا میرے دل میں وہم میری طبیعت میں گمان اور میرے دماغ میں خیال تک نہ آسکتا تھا کہ ابیلا میری خدمات کو اس قدر جلد فراموش کر دے گی۔ مگر جلاّ د نے جو اس کے بعد میرا دوست بنا اور اب مسلمان ہے مجھ کو دکھا دیا کہ بے وفا یزدگرد کے پہلو میں اس کی خواب گاہ میں آراستہ و پیراستہ بنی ٹھنی بیٹھی کہہ رہی ہے کہ

"میں شہنشاہ کی ہوں"

مجھے اب اس سے واسطہ کیا جئے مرے رہے نہ رہے مسلمانوں کے ہاتھ آئے ایرانیوں کے پاس جائے مجھے کیا۔ مگر میں اس محبّت کی قدر کروں گا جو میرے دل میں مدتوں رہی۔ اور اب جس درخت کی شاخیں میرے سر سے پاؤں تک ہجوم کئے ہوئے ہیں میں اس کو نہیں اس کے خیال کو اس کی صورت کو نہیں اس کی یاد کو زندہ رکھوں گا۔ اور کوشش کروں گا کہ اُس کا تصوّر مجھ سے دُور نہ ہو۔ میرے دل میں ہوس اٹھتی ہے۔ میرے کلیجہ میں برچھے لگتے ہیں۔ کیا اس سے زیادہ جگر خراش واقعہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے کہ جو جفا کار میرے قتل کا حکم دے وہ محبُوب ہو اور میں اپنی آنکھ سے دیکھ لوں کہ ابیلا جس نے بھائی کی موت گوارا اور باپ کا قتل جائز سمجھا۔ مگر عصمت پر حرف نہ آنے دیا۔ یہ کہے کہ

"میں شہنشاہ کی ہوں"

خُدا دشمن کو بھی یہ وقت نہ دکھائے۔ میرا بس چلتا۔ میرے اختیار میں ہوتا۔ میری قدرت ہوتی تو میں دونوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیتا۔ مگر مجبُور تھا بے بس تھا۔ لاچار تھا کہ ہتھیار پاس نہ تھا۔ کیا ابیلا یہ نہیں سمجھتی تھی کہ کبھی مجھے بھی منہ دکھانا ہے۔ آسمان اگر ایمان رکھتا ہے۔ زمین اگر جھوٹ نہیں بولتی تو دونوں میرے شاہد ہیں۔ کہ مدائن کی لڑائی میں میرا ہاتھ دشمن پر نہ اٹھا۔ اس لئے کہ ابیلا اس کی دوست ہے۔ میں کہتا ہوں دونوں کو مار دیتا۔ غلط میرا ہاتھ اس پر کیا اٹھتا۔ وہ میرے دل میں رہی ہے۔ اور اب بھی وہ نہیں مگر اس کا نقش پا موجود ہے ۔۔

اب جلولا کا حملہ ہے۔ یقیناً ابیلا وہاں ہوگی۔ فتح کے بعد جب میں ابیلا کو دیکھوں گا۔ تو میرے دل کی کیفیت کیا ہوگی۔ میں اب اس کی صورت دیکھنی نہیں چاہتا۔ دو روز کی اجازت لوں اور ماژندران چلا جاؤں۔ اس محل کو دیکھوں۔ اس سڑک کو دیکھوں۔ اس دریا کو دیکھوں

اس پہاڑ کو دیکھوں جہاں میں نے اس کو دیکھا۔ جواب تک میرے دل میں بس رہی ہے۔
مگر افسوس اپنے نفس کی خاطر قوم کو چھوڑ دوں۔ اور اس لڑائی کے موقعہ پر چلا جاؤں۔
نہیں نہیں ہرگز نہیں؟

(۸)

چاند چمکے گا اور ماند ہوگا۔ آفتاب نکلے گا اور ڈوبے گا۔ مگر یہ آفتاب جو آج طیبہ میں برآمد ہوا بے مثل و بے نظیر ہے۔ یہ وہ روز ہے جو دنیائے تاریخ اور دنیائے اسلام دونوں میں یگانہ ولاجواب ہے۔ یہ وہ روز ہے جس نے دنیا کو ٹھکرا دیا۔ اور یہ وہ روز ہے جس نے اسلام کی صداقت روئے زمین پر چمکا دی۔ دن چار گھنٹے چڑھ چکا ہے۔ اور امیرالمومنین مسجد نبوی میں خاموش بیٹھے ہیں۔ بہت سے مسلمان دائیں بائیں موجود ہیں۔ کچھ دیر سکوت کے بعد امیرالمومنین نے فرمایا:۔

بہرہ شیر کی فتح کے بعد اب ہمارا حملہ مدائن پر ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جو صدیوں سے ایران کا دارالخلافہ رہی۔ بڑے بڑے نامور بادشاہ اس خاک سے اُٹھے اور اسی خاک کا پیوند ہوئے۔ نوشیروان ہرمز کیقباد جیسے لوگ اسی میں سوتے ہیں۔ دشمن اس جگہ جانیں لڑا دیں گے ہماری فوج تعداد میں کم اور جمعیت میں قلیل ہے۔ مگر خدا کا فضل ہمارے ساتھ ہے۔ اور جو قربانیاں ہم نے اس مہم میں چڑھائی ہیں وہ خالی نہ جائیں گی۔ کیسے کیسے بہادر جو اسلام کے مایۂ ناز سپوت تھے جن کی پاک روحیں اس وقت جنت میں پھر رہی ہیں۔ وطن سے ہزاروں کوس دور پردیس میں آرام کر رہے ہیں۔ اُن کی موت ہماری فتح کا راز۔ اور ان کی شہادت ہماری کامیابی کی آواز ہے۔ مگر دل دھکڑ دھکڑ کر رہا ہے اور خدا کے سوا کوئی اس نازک موقعہ پر ہماری لاج رکھنے والا نہیں جس نے ہم کو اس وقت تک غالب رکھا وہی اس وقت بھی ہماری مدد کرے گا۔

امیرالمومنین یہ فرما ہی رہے تھے۔ کہ سامنے اونٹوں کی قطار کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور قاصد نے داخل ہو کر سلام علیک کے بعد فتح مدائن کا مژدہ سنایا۔ سنتے ہی سجدہ میں گر کے شکر ادا کیا۔ اور مال غنیمت کی تقسیم شروع ہوئی۔

منجملہ دیگر بیش بہا اشیا کے عدالت دیوانی کی ایک چھت مثل پردوں کے تھی جس میں سوتی کے کپڑے منطق البروج کی طرح دورہ کرتے تھے۔ ایک تخت ستاروں کی طرح تھا جو چاندی کے پایوں پر نصب تھا۔ اور جس کے اوپر نوشیروان کا تاج طلائی زنجیر میں لٹکا ہوا تھا۔ اور

وقت سر پر معلوم ہوتا تھا ۔

بعض کی رائے ہوئی کہ تمام اسباب بیت المال میں جمع کر دیا جائے مگر فاروق اعظم نے قواعد مقررہ کو کمزور نہ ہونے دیا۔ اور نہایت فراخ دلی سے تقسیم کر دیا ۔

ایک قالین پیش کیا گیا۔ جس میں ہیرے اور جواہرات لگے ہوئے تھے۔ تجویز ہوئی کہ امیرالمومنین کے اجلاس میں یہ قالین بچھایا جائے۔ مگر غیور خلیفہ نے اس تجویز کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ اس قالین پر بیٹھنے والا بندگان خدا کے حق میں انصاف نہیں کر سکتا ۔

اس کے بعد وہ محترم خاتون سامنے آئی جو یزدگرد کی لڑکی شہربانو تھی۔ یہ شہزادی شکل وصورت کے اعتبار سے مشہور تھی۔ اور اس کے جسم پر ایک قیمتی پوشاک اس کے حسن کو دوبالا کر رہی تھی۔ شہربانو گو قید تھی۔ مگر انداز حکومت اس کے بشرے سے ظاہر تھے۔ عربوں نے چاہا کہ پوشاک اتاریں۔ شہربانو کو یہ خواہش ناگوار گزری۔ اور انہوں نے امیرالمومنین سے کہا ۔

"میں گرفتار ضرور ہوں مگر اس قوم کے ہاتھ میں ہوں جس میں گو شاہ و گدا کا کوئی امتیاز نہ ہو۔ مگر حفظ مراتب اور خلق محمدی موجود ہے مجھے تعجب ہے کہ اسلام جیسے مقدس مذہب کے پیرو اس بات کے خواہشمند ہوں کہ میرے جسم سے پوشاک اتاریں۔ میرا دل اسلام کی طرف مائل ہے۔ میں اس کی خوبیوں کی معترف ہوں۔ اور میرا یقین ہے کہ حق باطل پر غالب آیا۔ مگر عربوں کا یہ فعل مستحسن نہیں" ۔

امیرالمومنین نے شہربانو کو تسکین دی اور فرمایا جس طرح تمہارا جسم ظاہری جواہرات سے جگمگاتا ہے اسی طرح تمہارا سینہ نور اسلام سے روشن ہوا تم اب تک دنیا کی شہزادی تھیں۔ اب میں تم کو دین کی شہزادی بناتا ہوں۔ اور تم کو اس شخص کے سپرد کرتا ہوں۔ جو جنت کا سردار رسول اللہ کا نواسا اور خاتون جنت کے کلیجہ کا ٹکڑا ہے ۔

اب وہ وقت تھا کہ فرش بہار سامنے آیا۔ مگر یہ معلوم ہوتے ہی کہ یہ مے خواری کے واسطے مخصوص ہے۔ امیرالمومنین کے حکم سے پرزے پرزے کر دیا گیا۔ کہ اس کا وجود میخواری کو زندہ نہ کرے ۔

جن لوگوں کو آج زمانہ نے وحشیوں کا سرگروہ۔ قزاقوں کا [illegible] اور ظالموں کا سردار ثابت کر دیا۔ وقت نے جن کی زبانوں سے یہ کہلوا دیا کہ دوسروں پر منہ آنے والے۔ اور تعصب کی آگ میں اتہام اور الزام لگانے والے۔ خود ہی پورے مفسد کامل مکار اور پورے جفاکار ہیں۔ دنیا نے جن آنکھوں کو یہ دکھا دیا کہ خدا کے گھر ڈھانے والے شہروں [illegible] کو برباد کرنے والے خلق خدا کو بے گناہ ذبح۔ معصوموں کو قتل اور عورتوں کو تاراج کرنے والے یہ ہیں۔ وہ امیرالمومنین کے اس

فعل کو وحشیانہ کہتے ہیں۔ مگر سوچیں گریبان میں مُنہ ڈالیں اور غور کریں۔ کہ فاروق مُسلمانوں کا وہ جلیل القدر خلیفہ جس نے درخت کو اس خیال سے کہ مسلمان اس کی پرستش نہ کرنے لگیں جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جس نے حجر اسود کو یہ کہہ کر بوسہ دیا کہ تو ایک پتھر ہے جس نے گرجا میں اس لئے نماز نہ پڑھی کہ مسلمان تقلید نہ کر بیٹھیں۔ اگر سامان میخواری کو پھاڑنا کیا جلا کر خاک سیاہ کر دیتا تو حق بجانب تھا جس قوم کا خلیفہ حملہ سے پہلے فوج کو یہ حکم دیدے۔ بڈھوں پر ہاتھ نہ اُٹھانا۔ کمزوروں پر ہمیشہ رحم کرنا۔ ہرے بھرے درختوں کو نہ کاٹنا۔ اور خدا کی مخلوق کو اذیت نہ دینا" جو قوم گرجا کی تعظیم قریب قریب مسجد کے برابر کرتی ہو۔ خدا کی شان ہے ان کو وحشی کہنے والے وحشت کی وہ آگ برسائیں جس کے شعلے روئے زمین کو خاکستر کر دیں۔ فتح کے بعد پہلا کام گرجاؤں میں نفسانی خواہشوں کی تکمیل ہو۔ اور اس کے بعد معصوم بچے اور بڈھے مرد اس بے دردی سے ذبح ہوں کہ ان کی فریادوں سے دُنیا تھرّا اُٹھے ۔

(۹)

مصیبت جھیلتے اور پاپڑ بیلتے بیلتے مدتیں گزر گئیں۔ یہ تین مہینے بھی اس اُمید پر بسر کر دئے کہ شاید وہ تصویر ایک دفعہ نظر آجائے تو مفصل حال بیان کر دُوں۔ ہائے کیسے نازک وقت میں اس کی پیاری رُوح مجھے دیکھ کر گئی۔ میں سفیدی یزدگرد کی خواب گاہ میں بیٹھی ہوں۔ اور میری زبان سے یہ لفظ نکل رہے ہیں کہ "میں شہنشاہ کی ہوں"۔ ضرورت تھی مصلحت تھی مجبوری سہی لاچاری سہی کچھ بھی تھا اور کچھ ہی ہو مگر عاشق جانباز بے گناہ مقتول اس سزا کا سزاوار نہ تھا۔ میں نے وہ ظلم کیا جو کوئی انسان کیا ہوگا جو کوئی عورت۔ میں نے وہ غضب ڈھایا جو کوئی بھلا مانس نہیں کر سکتا۔ میں نے عصمت کی بے وفائی کی تصویر۔ جھوٹی محبّت کی تحریر تقریر اس کو دکھا دی اور سُنا دی۔ وہ انسان تھا مسلمان تھا عاشق تھا صادق تھا۔ بیگناہ قتل اور بے خطا شہید ہُوا کون ہے جو بتائے اور یہ پیغام پہنچائے کہ

"بیگناہ قتل ہونے والے میں بے گناہ ہُوں"

"میں اب تک تیری ہُوں اور جب تک ہُوں تیری رہُوں گی"

یزدگرد۔ یزدگرد کا تخت۔ ایران ایرانی سلطنت۔ دُنیا دُنیا کی حکومت۔ تیری محبّت پر۔ تیری اُلفت پر۔ تیری صداقت پر قربان کر دُوں۔ فدا کر دوں۔ نثار کر دوں۔ مجبور تھی چارہ نہ تھا۔ گرفتار تھی تدبیر نہ تھی۔ لاچار تھی علاج نہ تھا۔ اس کے سوا اس کے علاوہ اس کے بغیر کہ اس بہانہ سے

اس غدر سے اس آڑ سے تیری زیارت کروں۔ تیری قبر دیکھ لوں۔ تجھ سے روزانہ مل لوں۔ میں نے تین مہینے کی مہلت مانگی تھی۔ اور اس شرط پر کہ دو گھنٹے روزانہ تیرے پاس بیٹھوں گی۔ مگر دور تیرے قریب ہونگی مگر الگ۔ تیرے ساتھ رہوں گی مگر علیحدہ۔ میں اس وقت تک وہی ہوں جو ہمیشہ تھی اور میرے پہلو میں وہی دل ہے جو ہمیشہ رہا۔ مجھ سے بدظن نہ ہو۔ ناخوش نہ ہو۔ خفا نہ ہو ۔

آ زخمی ایک دفعہ دکھا صورت بے گناہ ایک بار، ایک مرتبہ صرف وہی تصویر،

ہائے ہائے! "محبت سے بعید ہے"۔

نہیں نہیں پیارے "مصلحت کا تقاضا ہے"۔

تیری۔ تیری۔ تیری۔ اور صرف تیری ۔

تین مہینہ کی مدت ختم ہوگئی۔ آج آخری روز ہے۔ کل یزدگرد یہاں آجائے گا۔ اب اس مصیبت سے مفر نہیں ظالم کے چنگل سے بچانے والا جنگل میں سو رہا ہے۔ اب کیا ہوگا۔ مدت پوری۔ وعدہ ختم لیکن اب مجھے زندگی کی ضرورت کیا۔ یزدگرد کا آنا لازمی اور ساعت مصیبت اٹل یعنی موت.....

ایملا قبرستان میں اس قبر پر بیٹھی تھی۔ جو دلہن کی طرح پھولوں سے آراستہ تھی۔ اٹھی سرہانے آئی۔ اور کہا۔

میں پندرہ روز یہاں رہی۔ آفتاب و ماہتاب میری آنکھوں کے سامنے پندرہ بار نکلے اور ڈوبے چمکے اور غروب ہوئے سطح آسمان پندرہ مرتبہ تاروں سے جگمگائی۔ مگر میرے دل کی کلی ایک لمحہ کو نہ کھلی۔ میں اب تیرے پاس آئی ہوں نہ معلوم کیا ہوگا۔ اگر تو مل گیا تو اس موت پر ہزاروں زندگیاں قربان ۔

یہ کہہ کر ایملا نے خنجر نکالا اور کہا۔

ہاں ہاں سن سن میرے خون کے قطرے اس کے سینہ پر میری لاش۔ اس کی پائنتی پر میرا سر اس کی گود میں میرے ہاتھ اس کی گردن میں۔ تو پندرہ برس لئے میرے خنجر میری کمر میں رہا آج میری درخواست پوری کر ۔

دنیا تھی مگر دنیا والے نہ تھے۔ شہر تھا مگر بسنے والے نہ تھے۔ صنوبر کے پتے اس وقت باز ندران کے پھول کی ساعت آخر دیکھ رہے تھے۔ اور آفتاب کا دیدۂ درخشندہ ماہ عجم کی رحلت کا منتظر تھا کہ ایملا نے اٹھی خنجر کھینچا چاہتی تھی کہ کام تمام کرے کہ پیچھے سے کسی شخص نے ہاتھ پکڑا۔ دیکھا تو پوچھا کون ہے۔

شخص۔ ہرمز! والئے پرس ٭

ابیلا۔ کیا ہے؟

ہرمز۔ خنجر پھینک دے ٭

ابیلا۔ کیوں؟

ہرمز۔ اس لئے کہ اب اس کی ضرورت نہیں ٭

(۱۰)

مدائن کی شکست نے بظاہر ایرانیوں کے جی چھٹوا دئے۔ اور امید یہ تھی کہ یہ فتح لڑائی کا خاتمہ کر دے گی۔ مگر ان کی ہمتیں ابھی ٹوٹی نہ تھیں۔ اور ان کا جوش لحہ بہ لحہ ترقی کر رہا تھا۔ مدائن سے بھاگ کر انہوں نے حلولا میں قیام کیا۔ یہ بغداد کے قریب خراسان کے راستہ میں ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ جہاں پہنچ کر جنگ کی تیاریاں اعلےٰ پیمانہ پر شروع ہوئیں۔ رستم کا بھائی فرزاد جو یہاں کا حاکم اور مشہور جری تھا۔ مدائن کا نتیجہ سن کر سانپ کی طرح سر دھننے لگا۔ اس نے تمام فوج کو ایک جگہ مرتب کر ایسی جوشیلی تقریر کی کہ جن لوگوں نے مدائن میں یزدگرد کے چیخنے چلانے پر پیٹ کر دیکھا تک نہیں انہوں نے حلف اٹھائے کہ جب تک مدائن کو دشمن سے واپس نہ لے لیں کھانا حرام ہے۔ اس انتظام کے بعد فرزاد نے شہر کے چاروں طرف خندق کھدوائی اور آمد و رفت کے راستہ میں گوکرو بچھوا دی۔

مسلمان مدائن سے آگے بڑھے تو ان کو معلوم ہوا کہ ایرانیوں نے لڑائی کا یہ کچھ اہتمام کیا ہے۔ اور پچاس ہزار سے زیادہ سورما اور بہادر قسمیں کھا چکے ہیں کہ مدائن جب تک واپس نہ لیں گے کھانا اور پینا سب حرام ہے۔ سعد نے اس وقت مناسب نہ سمجھا کہ بلا امیر المومنین کے مشورہ کے حملہ کریں اس لئے انہوں نے مفصل کیفیت لکھ بھیجی۔ مسلمانوں کی فوج اب ایرانیوں سے کم تھی اور متواتر حملوں نے ان کو تھکا بھی دیا تھا۔ اس لئے امیر المومنین نے بارہ ہزار فوج کمک کو روانہ کی اور یہ حکم بھیجا کہ مقدمۃ الجیش پر قعقاع میمنہ پر مسعر میسرہ پر عمرو اور ساقہ پر عمرو بن مرہ مقرر ہوں۔ یہ فوج ہاشم کی ماتحتی میں روانہ ہو کر صبح کے وقت یہاں پہنچی۔ مسافت چونکہ زیادہ طے کر کے آرہے تھے اس روز وہیں قیام کیا۔ اور دوسرے روز کوچ ہوا ٭

حلولا کا یہ معرکہ جو ایرانیوں کی آخری کوشش تھی۔ کہ کسی طرح مادر وطن کو دشمن کے قبضہ سے رہائی دلوائیں۔ اور ایک لاکھ سے زیادہ فوج غنیم کے نکالنے پر آمادہ تھی واضح طور سے ثابت کر رہا ہے کہ زندہ رہنے کا حق اسی قوم کو ہے جو زندہ رہنے کی کوشش کرے۔ مسلمانوں نے حلولا میں داخل ہوتے

ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ مگر ایرانیوں نے اس کی مطلق پروا نہ کی۔ رعیت کے علاوہ ایک لاکھ فوج تھی۔ مگر سامان خوراک اس قدر کافی تھا کہ اگر پانچ سال بھی محاصرہ رہتا تو بھوکے نہ مرتے۔ فرزاد نے کئی دفعہ قصد کیا کہ باہر نکلے مگر اخلاقی حالت جس پر اقوام کی موت وزیست کا انحصار ہے اس قدر بگڑ چکی تھی کہ اس حالت میں بھی کہ دشمن سر پر تھا۔ جانوں کے لالے تھے۔ ننگ وناموس خطرہ میں وطن نرغہ میں اور عزت مصیبت میں تھی عیش وعشرت سے باز نہ آئے۔ وقتاً فوقتاً باہر نکلتے چھوٹے چھوٹے معرکے ہوتے اور پٹ پٹا کر اندر گھس جاتے یہ حالت کئی مہینہ تک رہی۔ آخر ایک روز ادھر تو مسلمانوں نے نماز ظہر کا سلام پھیرا۔ ادھر ایرانی شہر سے باہر آئے اور حملہ کر دیا مسلمان بے جگری سے لڑے۔ فتح کی حفاظت اور حق کی حمایت میں جانیں قربان کیں مگر ایرانیوں کا حملہ بھی اس قدر سخت تھا کہ کسی طرح پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ شام کے وقت ایک غضب ناک آندھی آئی جس نے تمام میدان میں اندھیرا گھپ کر دیا۔ اغیار کہتے ہیں کہ معرکہ جلولا میں آندھی فتح بن کر مسلمانوں کے سر پر چھائی ورنہ ایرانی ہٹنے والے نہ تھے۔ مگر سبحان اللہ قربان اس خیال کے اور نثار اس رائے کے لعنت اس لغویت پر اور ملامت اس حماقت پر۔ آندھی تھی یا طوفان اور آفت تھی یا مصیبت دونوں کے واسطے تھی۔ مسلمان غریب الوطن تھے۔ پردیسی تھے۔ راستہ سے ناآشنا۔ موسم سے بے خبر۔ ایرانیوں کا گھر اپنا بار اپنا رستے جانے بوجھے اور موسم دیکھا بھالا۔ آندھی معین ہوتی تو ان کی نہ کہ ان کی۔ اندھیرا ہوتے ہی مسلمانوں نے وہ حملہ کیا جس کی تاب ایرانی نہ لا سکے۔ پیچھے ہٹے مگر بھٹک گئے اور بجائے شہر کے خندق کی طرف جا پہنچے جو ڈائن کی طرح منہ کھولے بیٹھی تھی۔ گرنے شروع ہوئے اور ہزاروں آدمی برباد ہونے کے بعد پتہ چلا کہ یہ آفت آئی ٹھٹکے سنبھلے اور سمٹے مسلمان برابر آگے بڑھتے گئے۔ ایرانی قلعہ کے دروازہ اور شہر کی فصیل کے پاس جمے کھڑے تھے۔ خونریز معرکہ ہوا۔ پہلے تیروں کا مینہ برسا۔ اس کے بعد برچھیوں اور نیزوں کی نوبت نہ آئی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ قعقاع لڑتے بھڑتے قلعہ کے دروازہ تک پہنچ گئے۔ اس وقت ایرانیوں کا ٹھہرنا مشکل تھا بھاگے مگر جدھر جاتے تھے گوکھرو لہولہان کر دیتے تھے۔ ہزاروں کام آئے سینکڑوں فرار ہوئے۔ اور بالآخر مسلمان فتح کے نعرے پکارتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ یہ وہ معرکہ ہے جس نے تین کروڑ کا مال غنیمت مسلمانوں کے سپرد کیا۔

(۱۲)

آفتاب غروب ہو چکا برس کی بوسیدہ شہر پناہ کیانیوں کی عظمت گذشتہ کا اور کاخ ہرمز کی دیواریں والی برس کی بدنصیبی کا نوحہ پڑھ رہی ہیں موسم گرم ہے اور شاہی باغ میں سرو کے ایک درخت کے پاس ملکہ ایبلا ساکت

وخاموش کھڑی ہے اور قریب ہی ہرمز طیش میں بھرا اِدھر اُدھر ٹہل رہا ہے کچھ سوچتے سوچتے وہ کہنے لگا:-
فیلوکس کا ہمدان نے، ہمدان کا تیرے محبوب نے، تیرے محبوب کا یزدگرد نے، یزدگرد کا مسلمانوں نے خاتمہ کر دیا۔ تیرے مدد کرنے والے سب خاک میں مل گئے۔ اور ان کے ساتھ ہی سلطنت ایران بھی برباد ہوئی۔ ہمعصروں میں برابر والوں میں بادشاہوں میں، والیوں میں اب اگر کوئی تیرا مستحق ہو سکتا ہے تو میں اور صرف میں۔ تعجب تیری عقل پر اور افسوس تیرے خیال پر کہ تو اب بھی وہی پرانے خواب دیکھ رہی ہے۔ اس سرزمین سے اب مجھ سے بہتر والی پیدا نہ ہوگا جو تیرے حسن کی قدر کرے۔ اور میری طرح تجھ کو موت سے بچا کر سر آنکھوں پر جگہ دے +

ابیلا۔ جو مر گیا وہ اچھا رہا۔ اور جو مر جائے گا وہ اچھا رہے گا۔ مجھے کسی مستحق کی ضرورت ہے نہ غیر مستحق کی۔ تو نے موت سے بچا کر احسان نہیں ظلم کیا اب زیادہ سے زیادہ جو کچھ تو کر سکتا ہے وہ وہی ہوگا جس کی میں متمنی ہوں +

ہرمز۔ مگر اس میں کیا قباحت ہے کہ تو میری درخواست کو منظور کر بقیہ عمر نہایت اطمینان سے میرے ساتھ بسر کرے۔ تجھے معلوم نہیں کہ میں اب مسلمانوں کی حفاظت میں ہوں اور مجھے کسی طرف سے کسی کا کھٹکا نہیں۔ تیرا محبوب مر چکا۔ اس کا خیال چھوڑ اور مجھ سے دل لگا کہ میں تیری عمر گذشتہ کی تمام تکالیف کی تلافی کر دوں +

ابیلا۔ مجھے زندگی کی ضرورت ہے نہ دل لگانے کی عیش کی ضرورت ہے نہ تلافی کی۔ میں اب صرف موت کی خواستگار ہوں۔ اور اگر تو مجھ سے محبت کرتا ہے تو اتنا احسان کر کہ جس جگہ سے لایا ہے وہیں پہنچا کر قتل کر دے +

ہرمز۔ میں قتل کے واسطے نہیں لایا۔ اس لئے لایا ہوں کہ تو میرے جشن میں شریک ہو۔ کیا میں تیری نگاہ میں اتنی وقعت بھی نہیں رکھتا جتنی اسلامی فوج کا ایک معمولی افسر جس پر تو ایسی فریفتہ ہوئی کہ مر کر بھی اسی کے پہلو میں سونا چاہتی ہے +

ابیلا۔ افسوس تیرے عشق اور صد ہزار افسوس تیرے دعوے عشق پر کہ تو یہ جان کر کہ وہ میرا محبوب تھا اور ہے۔ یہ سمجھ کر کہ میں اس کی فریفتہ رہی اور ہوں اس کو برا کہہ کر میرے جذبات کو ٹھیس لگاتا ہے۔ اس زبان سے جو نکل گیا وہ پتھر کی لکیر ہے۔ تو کیا چیز ہے۔ فیلوکس اور ہمدان کے سامنے یزدگرد کے روبرو۔ قید خانہ میں مقتل میں تلواروں کے سایہ میں، بندوقوں کی آڑ میں جو کہہ چکی وہ کر رہی ہوں اور جو کہہ رہی ہوں وہ کر دکھاؤں گی +

"ہرمز! میں اسی کی ہوں اور اسی کی رہوں گی"

ہرمز۔ جو اب تک نہ جھکتی وہ اب جھکے گی۔ اور جو آج تک نہ پڑی وہ اب پڑے گی۔ اگر اب بھی تیری ضد پوری اور ہٹ ختم نہیں ہوئی تو نتیجہ کی ذمہ وار تو خود ہے۔ اذیت سے بچنا۔ آفت سے دور اور مصیبت سے الگ رہنا چاہتی ہے تو اس مکار کا خیال دل سے نکال جس نے تجھ جیسی مہجبین کے دل کو فتح کیا۔ وہ چھٹا ہُوا بدمعاش تھا جس نے مسلمان بن کر اپنی جان بچائی۔ اور بالآخر قتل ہُوا۔

ابیلا۔ کیا تم کو خوب معلوم ہے کہ وہ مسلمان تھا۔

ہرمز۔ وہ ایک برطی النسل شخص تھا۔ جو رستم کے ساتھ اس لئے مقام پوپ پر گیا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں اپنی شجاعت دکھائے۔ مگر وہاں جاکر وہ مسلمان ہُوا اور مسلمانوں سے مل گیا۔ اور مسلمانوں کی تمام فتوحات میں جو کارنمایاں اس نے انجام دئے۔ ان کا اعتراف سپہ سالار اسلامیہ ہمیشہ کرتا ہے۔

ابیلا۔ اگر اس کا یہ فعل تمہاری رائے میں اچھا نہ تھا تو تم بھی تو مسلمان ہو۔

ہرمز۔ ہاں میں بھی مسلمان ہُوں۔ مگر ایسا مُسلمان کہ میرا بس چلے تو آج ہی مسلمانوں کا بیج اکھاڑ پھینکوں۔ وہ دل سے مسلمان تھا اور جب تک زندہ رہا مسلمانوں کا دم بھرتا رہا۔ یہ اس کا کھلا ہُوا فریب اور علانیہ مکر تھا۔ اور غرض صرف یہ تھی کہ مسلمانوں کی مدد سے تجھ پر قبضہ حاصل کرے۔

ابیلا۔ جو مرگیا اس کو اس طرح یاد کرنا شجاعت ہے نہ انسانیت۔ میں بے بس ہوں ورنہ بتادیتی کہ مکار وہ ہے یا تو۔

ہرمز۔ اس چرب زبانی کو موقوف اور اپنی حالت پر رحم کر۔ میں وہ ہوں جس نے بڑے سے بڑے سرکشوں کو ایک دم میں نیچا دکھا دیا۔ یاد رکھ عمر بھر روئے گی۔

ابیلا۔ میری عمر ختم ہو چکی۔ مجھ کو زندہ رہنا نہیں جو روؤں گی۔

ہرمز۔ میں تجھ کو زندہ رکھوں گا۔ اور ایسی حالت میں کہ ہمیشہ یاد رکھے گی۔

ابیلا۔ میں نہایت خوشی سے ہر مصیبت کے لئے تیار ہوں۔

ہرمز۔ سمجھ اور سنبھل۔ روئے گی اور پچھتائے گی۔

ابیلا۔ رو چکی اور پچھتا چکی۔ کر جو کرتا ہے۔

شاہی باغ کے اشجار بار آور ہوا کے جھونکوں سے جھوم رہے تھے۔ اور ماہتاب ٹکٹکی باندھے ابیلا کی حالت کو رات کے سناٹے میں دیکھ رہا تھا۔ کہ ہرمز جھپٹا ابیلا کا ہاتھ پکڑ گھسیٹا اور زمین

میں گرا کر اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ آنکھ سے منہ سے جسم سے غصہ ٹپک رہا تھا۔ اُس وقت اس نے پھر کہا۔ کہ کیا کہتی ہے۔ دیکھ یہ خنجر دیکھ جو تیری آنکھیں باہر نکالے گا +

ابیلا۔ وہی جو کہ چکی +

ہرمز نے ابیلا کی دونوں آنکھیں چیریں اور یہ کہتا ہوا نیچے اُترا۔ دیکھ یہ ہے تیری نالائقی کی سزا

ابیلا۔ آنکھوں کے ہونے کی راحت اور نہ ہونے کی اذیت اس دم تک تھی میں اب تک اندھی تھی کہ وہ صورت نظر نہ آتی تھی۔ اب میری آنکھیں کھل گئیں کہ مجھے اس صورت کے سوا کچھ نظر ہی نہ آئے گا +

اب ہرمز نے ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔

"لے جاؤ اس اندھی ابیلا کو اور کوہ سبا کی چوٹی پر قید کر دو"

(۱۳)

کیا یہی محبت کا تقاضا اور عشق کا نتیجہ ہے کہ انسان اپنی غیرت اور حمیت سب خاک میں ملادے مجھے ابیلا کی بے وفائی کا یقین نہیں حق الیقین عین الیقین دیکھا اپنی آنکھوں سے۔ سنا اپنے کانوں سے۔ مگر اس پر بھی دل اس کی طرف مائل اور نگاہ اس کی متلاشی ہے۔ کیا میں ان آنکھوں کو اجازت دوں۔ دل کی اس خواہش کو جائز سمجھوں کہ ابیلا ایک دفعہ اور نظر آجائے۔ ایک ایسی عورت ایک ایسی صورت جو محبت کے تمام مراحل کو اس بے دردی ایسی سنگ دلی اور سرد مہری سے اس قدر جلد ایسی آسانی سے فراموش کر دے کیا یہ حق رکھتی ہے کہ میں اس کو اپنا سمجھوں اور اس سے تعلقات قائم کروں جس نے اب تک کی خدمت اور اس وقت تک کی محنت کا یہ بدلا دیا کہ شوق سے اور خوشی سے دوسرے عاشق کے پہلو میں ارمانوں سے بیٹھی اور اُمنگوں سے ملی۔ وہ گردن زدنی نہ ہو اس لئے کہ اپنی طبیعت کی مالک اور فعل کی مختار ہے۔ قابل سرزنش نہ ہو۔ اس لئے کہ محبوب ہے اور حسین ہے۔ مگر اس کی مستحق نہیں کہ ہنسی خوشی میں اسی طرح پھر اس کو سر آنکھوں پر رکھوں وہ بزدگرد کے پاس خوش ہے اور خوش رہے گی۔ مفتون ہے اور رہے گی۔ اور اب میری کوشش اس کے عیش میں حارج اس کے ارمانوں میں رخنہ اور اس کی اُمنگوں میں کانٹا ہوگی۔ میں بھول کر بھی میں مر کر بھی اب ایسی کی طرف اس کی جانب آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھوں گا۔ بس میرا یہ ہی احسان کم نہیں کہ میں اس کے جھوٹے عاشقوں اور خود غرض مداحوں کی طرح اس کو تکلیف نہ دوں لیکن بے غیرتی کی انتہا بے حمیتی کی حد ہے کہ دل پُر درد اس ظلم پر اور اس ستم پر اس بیوفائی

پر اور اس بے اعتنائی پر اب بھی اس کا ہمدرد اور رفیق ہے۔ یہ آدھی رات کا وقت ہے۔ آنکھیں نفس کے بندوں کی طرح سونے اور بند کرنے کے واسطے نہیں۔ یہ مملکت محبت میں صرف رونے اور ہنسنے کے واسطے ہیں۔ بڑوگرد اور ایبلا دونوں جاگ رہے ہونگے اور دونوں کی مشتاق نظریں ایک دوسرے کی بہار لوٹ رہی ہوں گی۔ جس حسن کی بہار رٹ گئی جس صورت کا مزا اُڑ چکا جس شکل کا لطف اُٹھ چکا اس میں اب کیا رہا۔ کچھ نہیں۔ مگر مجھ سے ایبلا کا عشق کچھ توقع رکھتا ہے اور اس کی محبت کی مجھ سے کچھ اُمیدیں ہیں۔ وہ نہیں اس کا عشق جس کا میں مدعی تھا وہ نہیں اس کی محبت جس کا میں نے اظہار کیا۔ اس جسم پر جس میں وہی دل ہے اس ہستی پر جس میں وہی زبان ہے حق رکھتا ہے ضرور رکھتا ہے مجھے اس سے واسطہ نہ ہو۔ مگر اس کے خیال سے مجھے اس سے تعلق نہ رہے مگر اس کی یاد سے واسطہ بھی ہے اور تعلق بھی ہے اور رہے گا۔ ہے اور رہنا چاہیئے۔ میں اس کو نہیں اس کے قدموں کو نہیں۔ اس کے نقش پا کو۔ اس کو نہیں اس کی آنکھوں کو نہیں ان پھولوں کو جن میں وہ نگاہیں پیوست ہوئیں۔ اس کو نہیں اس کی صورت کو نہیں اس زمین کو جس نے اس کے قدم سر آنکھوں پر رکھے بوسہ دُوں گا۔ سر پر رکھوں گا۔ آنکھوں سے لگاؤں گا۔ بے وفا وہ ہے کج ادائی اُس نے کی۔ اس کے خیال نے نہیں وہ بے وفا تھی اس کا خیال باوفا۔ وہ دوسرے کی تھی لیکن اس کا خیال میرا ہے مہمان مدت العمر میرے پاس رہے گا میرے ساتھ رہے گا۔ اس ظلم پر بھی جو ہوا۔ اس ستم پر بھی جو ٹوٹا۔ اس کی تصویر میری آنکھوں میں اس کے احسان میرے دل میں ہیں اور رہیں گے غلطی میری تھی خطا میری۔ قصور میرا وہ وہی تھی میں میں ہی ہوں مجھے اپنی اصلیت پر اپنی حقیقت پر اپنی حالت پر نظر ڈالنی چاہیئے تھی۔ اس کی صورت کو۔ اس کی سیرت کو اس کی حکومت کو پرکھنا تھا ڈال کر اور پرکھ کر دیکھ کر اور بھال کر جو کرتا وہ دیکھ کر جو کرتا وہ موقعہ ہے۔ اس نے جو کچھ کیا درست کیا شہزادی تھی والی تھی ؛

میرا بھید شاید کھل گیا۔ سعد کی گفتگو سے قعناع کے طنز سے ہاشم کے کچوکوں سے میں سمجھ گیا تاڑ گیا۔ معلوم کر لیا کہ کسی نہ کسی ذریعہ سے کسی نہ کسی واسطہ سے کسی نہ کسی وجہ سے میری حالت پر شک میری کیفیت پر شبہ تینوں چاروں کو ہوا ضرور ہوا۔ پوچھتے ہیں۔ دریافت کرتے ہیں بتادوں بیان کردوں کہوں کہ میرا کام کردیں۔ درخواست کروں کہ ملوادیں۔ مگر نہیں دیار حبیب پر حملہ اس قدر کشت وخون توبہ توبہ محبت سے بعید انصاف سے دُور ہے ؛

"ایبلا تو خوش رہے جہاں رہے"

(۱۸)

پہاڑ کا لامتناہی سلسلہ جس کی چوٹی پر اندھی ابیلا قید ہے۔ دور تک پھیلا ہوا ہے تعدد کے گرگران تکالیف سے فرصت اور مصائب سے رہائی پاؤں۔ مگر کوئی ایسی جگہ دکھائی دیتی ہے۔ معلوم ہوتی۔ ایک طرف منہ اُٹھائے چلی جا رہی ہے۔ اِدھر اُدھر ہاتھ سے ٹٹولتی ہے کہ گرنے کی کوئی جگہ مل جائے مگر نہیں ملتی۔ پہاڑ کی چٹانوں نے پاؤں لہولہان کر دئے۔ تیسرا روز ہے کہ پانی کا کوئی قطرہ یا اناج کا کوئی ذرہ مُنہ میں نہیں گیا۔ کپڑے میلے چکٹ چیتھڑ چیتھڑ۔ چہرہ مضمحل بال پریشان۔ چلتے چلتے ایک درخت کی ٹکر اس زور سے لگی کہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ضعف کی حد اور نقاہت کی انتہا نہ تھی چکر آیا گری اور ایک کروٹ دیر تک پڑی رہی اور پھر یہ کہہ کر آگے بڑھی۔

"آنکھیں اب تک اس امانت کی حفاظت کر رہی تھیں جو محبوب کی ملکیت ہے۔ ایسا نہ ہو ظالم ہرمز یہاں کوئی گل کھلا دے"۔

چلی اور چلے گئی۔ رات کی تمیز تھی نہ دن کا پتہ۔ بھوک لگتی تھی نہ نیند آتی البتہ پیاس سخت تھی۔ چشموں کی آواز کان میں آتی تھی مگر آنکھیں وہاں تک جانے کے قابل نہ تھیں۔ صبح کا ایک روز سہانا وقت تھا۔ ہونٹوں پر پھپھڑیاں بندھی ہوئی تھیں۔ طائران خوش الحان نواسنجی میں مصروف تھے۔ ہوا ملار گا رہی تھی۔ درخت ستار بجا رہے تھے کہ ایک طرف سے چشمہ کی آواز آئی۔ بیتابانہ ادھر گئی۔ بدن نڈھال تھا۔ پتھر گھس گھس کر اور سنگریزے چبھ چبھ کر، سجنوں پر رہنے والے پاؤں کو فرج کر چکے تھے۔ ٹٹولتی ہوئی پانی کے قریب پہنچی۔ ارادہ کیا کہ پانی پیوں۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ اب زندگی کی چنداں ضرورت نہیں اسی چشمہ میں ڈوب کر دُنیا سے رخصت ہوں۔ خیال پختہ ہوا اور کود پڑی مگر افسوس چشمہ پایاب تھا نکلی کھڑی ہوئی۔ کچھ سوچ رہی تھی کہ یہ آواز کان میں آئی۔

"اندھی عورت کدھر جائے گی"

ڈری سٹ پٹائی سہمی گھبرائی۔ اسی خیال سے اسی اندیشہ سے پوچھا کون؟

شخص۔ میں کوئی ہوں مگر تو کون ہے اور کدھر جاتی ہے۔

ابیلا۔ میں اندھی ہوں یہاں پانی پینے آئی تھی۔

شخص۔ میں تجھے کچھ مدد دے سکتا ہوں۔

متواتر صدمات اور پے در پے آفات نے دل اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ رسیلی آنکھوں میں جو کبھی زہر ہلاہل اور اب روشنی سے بھی محروم تھیں مدد کا نام سُنتے ہی آنسو ڈبڈبا آئے۔ کہنے لگی۔

ہو۔ تمہارے دل میں دغا۔ تمہاری طبیعت میں فریب اور تمہاری منت میں مکر نہیں
ہے پہاڑ کے کنارے پہنچا کر چلے جاؤ ۔

شخص۔ میں مسلمان ہوں اور مسلمان جھوٹے نہیں ہوتے۔ شکار کے واسطے نکلا تھا ادھر آ گیا۔ اگر وجہ بتا دے کہ کنارے پر کیا ہے تو خوشی سے پہنچا دوں۔ یہ جذبۂ عشق کمال محبت اور انتہائے فریفتگی تھی کہ مسلمان کا نام کان میں آتے ہی ایک چیخ ماری اور یہ کہہ کر گری۔

میرا مس۔۔۔۔۔ عو۔۔۔۔۔۔

شکاری کو تعجب ہوا۔ وہ حیران کھڑا تھا کہ معاملہ کیا ہے اور ماجرا کیا۔ ابیلا کی آنکھ سے آنسو ٹپ ٹپ کر رہے تھے۔ کہنے لگی مسلمان ہو۔ کیا افواج اسلامیہ سے تمہارا کچھ تعلق ہے ؟

مسلمان۔ ہاں میں مسلمانوں کی فوج کا ایک افسر ہوں ۔

ابیلا۔ مجھے تم سے کہنے کا کوئی حق نہیں اور کوئی وجہ بھی نہیں کہ تم ایک غیر عورت کے واسطے تکلیف اُٹھاؤ۔ مگر تم کو رحم آجائے گا۔ اگر میں اپنا دل دکھاؤں۔ میں ایک بدنصیب عورت اس تنہائی میں تم سے گڑگڑا کر ملتجی ہوں کہ مجھ کو ماژندران کی سڑک پر ڈال دو۔ میں یہ نہیں کہتی کہ وہاں تک پہنچا دو یہ درخواست نہیں کرتی کہ تم مجھ کو کھانا دو۔ یہ تکلیف نہیں دیتی کہ مجھے گود میں اٹھاؤ۔ میں خود چلو نگی تم میرا ہاتھ نہ پکڑو میں تمہاری آہٹ پر چلوں گی اور تمہارے طفیل اس مقام پر پہنچ جاؤں گی جہاں میرا مسعود سوتا ہے ۔

مسلمان۔ کون مسعود؟ ہمارا مشہور قاصد جری افسر ۔

ابیلا۔ ہاں

مسلمان۔ وہ مرا نہیں زندہ ہے۔ میں اس کا پورا ہمراز نہیں۔ مگر اتنا جانتا ہوں کہ وہ کسی کے عشق میں گرفتار تھا۔ اور جس وقت ماژندران میں یزدگرد نے اس کے قتل کا حکم دیا تو اس نے اپنی بیش بہا تلوار جلاد کو دے کر رہائی پائی۔ اور زندہ ہے ۔

"تلوار کہنا بجلی کا ایک اثر تھا جس نے تمام جسم میں ایک برقی رو دوڑا دی۔ ایک چیخ ماری اور تین دفعہ مسعود مسعود مسعود کہہ کر گر پڑی۔ ہوش آیا تو اتنا کہا" واہ ری تقدیر کس موقعہ پر بے ہوش کیا کہ خیریت بھی نہ دریافت کر سکی "۔

مسلمان۔ میں موجود ہوں ۔

ابیلا۔ تم میرے قریب آؤ۔ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو۔ وہ ہاتھ جنہوں نے مسعود کے ہاتھ ہاتھ میں

لئے مسلمان نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ ابیلا نے اس کو پیار کیا۔ آنکھوں سے لگایا اور پھر ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی ؞

(۱۵)

دن کے دس بجے ہوں گے۔ سعد جلولا کے وسیع میدان میں ایک درخت کے نیچے بیٹھے کچھ غور کر رہے ہیں۔ سامنے سے فوج کا ایک دستہ آتا دکھائی دیا۔ متعجب ہوئے۔ اُٹھے آگے بڑھے تو معلوم ہُوا کہ اپنے ہی لوگ ہیں۔ اسعد بن طلحہ گھوڑے سے اُتر کر سامنے آئے اور کہا ؞

خُدا کے فضل سے قریب قریب تمام عراق اس وقت ہمارے زیر نگیں ہے۔ ایک حلوان باقی ہے سو اس پر بھی بہت جلد ہمارا قبضہ ہوگا (انشاء اللہ تعالےٰ) ہم کو اپنی طاقت سے بہت زیادہ خُدا کے فضل پر بھروسہ اور اس کے وعدوں پر یقین ہے لیکن یہ کہنا گناہ نہیں ہے۔ تمہارے سامنے کہتے ہیں۔ امیرالمومنین کے سامنے کہہ سکتے ہیں۔ خدا اور رسول کے سامنے کہہ دینگے کہ عراق کی فتوحات مُنہ کا نوالہ نہ تھا۔ برابر کے بھائی کلیجوں کے ٹکڑے آنکھوں کے تارے اس خاک میں سلا کر اس خاک پر قبضہ کیا ہے قدم قدم پر قربانیاں اور چپہ چپہ پر خون کی ندیاں بہائیں اور چڑھائی ہیں۔ راتوں کی نیندیں گنوا کر یہ دن اور دنوں کے چین اُجاڑ کر یہ راتیں دیکھی ہیں کہ عراق میں توحید کا ڈنکا بجے۔ اس ملک کو نہیں اور اس وقت کو نہیں کہ منافق فوج اسلام کی دہشت سے دل میں کپٹ اور آنکھوں میں کھوٹ رکھ کر اسلام قبول کریں اور بغلی گھونسے بن کر ہماری جان کے دشمن اور خون کے پیاسے ہو جائیں ؞

سعد۔ سرزمین عراق کا ہر ذرّہ اور اشجارِ عراق کا ہر پتہ مردہ لاشیں خدا کے ہاں اور زندہ رُوحیں دنیا میں ہمارے بیان کی تصدیق کر سکتی ہیں کہ ہم نے یہ ملک کس طرح فتح کیا۔ ہماری تلوار کہیں اور کسی موقع پر قبل از اتمام حجّت میان سے باہر نہ آئی۔ ہم نے انصاف کو ایمان کو انسانیت کو کسی معرکہ میں اور کسی حملہ میں ہاتھ سے نہ دیا۔ ہم نے کسی قوم کو کسی گروہ کو کسی فرد کو اسلام پر مجبور نہیں کیا اور ہر جگہ ہر وقت دعوت اسلام کے ساتھ ہی جزیہ کا بھی پیام دیا۔ جو حقانیت کی طاقت اور اسلام کی فضیلت کا ثبوت ہے۔ جزیہ سے ہمارا مقصد یہی ہے کہ دنیا دیکھ لے اور سمجھ لے کہ اسلام دین فطرۃ ہے۔ اور اگر ہم خدا کے ساتھ ہیں تو خدا ہمارے پاس۔ اس کے ساتھ ہی مسلمان بھی ذہن نشین کر لیں کہ جب تک اسلام کا مقدس تاج اس کے سروں پر جگمگا رہا ہے وہ زمین کی ہر طاقت اور ہر حکومت کو اپنے قدموں سے ٹھکرا سکتے ہیں۔ اگر کوئی منافق ضرورت پوری کرنے اور غرض نکالنے کے واسطے مسلمان ہُوا تو اس کی عقل پر افسوس۔ خیال پر تعجب اور حماقت پر لعنت۔ بتاؤ کیا ہُوا اور کیا کہہ رہے ہو؟

سعد۔ ہر مرز والی بر‌س جس نے ہمارے واسطے بہت کچھ سامان فراہم کیا تھا اور یقین دلایا تھا کہ سچے دل سے مسلمان ہُوا۔ بالکل بہانہ باز نکلا۔ اس کی غرض صرف یہ تھی کہ جزیہ سے محفوظ رہے وہ درحقیقت ویسا ہی مشرک اور بے دین ہے جیسا پہلے تھا۔ شراب پیتا ہے۔ عیاشی کرتا ہے اور حد یہ ہے کہ کل شام کو اُس نے ہمارے ایک بھائی کو صرف اس لئے کہ وہ مسلمان سمجھ کر وہاں چلا گیا تھا اور نماز پڑھی تھی قتل کر دیا۔ میں نے اس سے جا کر پُوچھا تو اس نخوت اور تمکنت سے جواب دیا کہ بدن میں آگ لگ گئی میں نے اس سے کہا کہ تو مسلمان ہو چکا ہے مگر تیرے یہ افعال کہ تو شراب پی رہا ہے درست نہیں۔ اس پر وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اور میں بھاگ کر نہ آجاتا تو شاید مجھے بھی قتل کر دیتا۔

سعد۔ مجھے اس کا مطلق علم نہیں۔ اگر یہ واقعہ ہے تو وہ بہت جلد اپنے اعمال کی سزا بھگتے گا۔ ہم اسلام پر مجبور نہیں کرتے لیکن مسلمان ہو کر کافر رہنا یقیناً سنگین جرم ہے۔

(۱۶)

میں اب بھی اتنی قدرت رکھتا ہوں کہ تو جو میرے ایک اشارہ سے اس بدڑھے کو پہنچ گئی تجھ کو برس کی شہزادی بنا دوں۔ تو نے اپنی غلطی کا نتیجہ اور لغزش کا انجام دیکھ لیا۔ اب میرے قرار کی سچائی اور وعدہ کی صداقت بھی دیکھ اور اگر ابھی اسی ہٹ پر قائم ہے تو لکھ لے اس سے زیادہ ذلیل و رسوا کرونگا تجھ کو معلوم ہو چکا کہ مسعود زندہ ہے تجھے خبر ہے کہ تیری یہاں کی موجودگی تیری یہ حالت زار اس کے علم میں ہے۔ مگر اس کے دل نے اس کی طبیعت نے اس کے ایمان نے یہ جائز نہ سمجھا کہ جھوٹ موٹ ہی تیرے پاس آتا۔ اور اگر دل سے نہیں تو دُنیا دکھاوے ہی کو دو چار باتیں کر جاتا۔ تجھے خبر نہیں مگر مجھ کو ہے۔ تجھے علم نہیں لیکن مجھے ہے۔ کہ جس وقت شکاری نے ساری داستان اس کے سامنے بیان کی تو اس نے قہقہہ مارا اور کہا۔ بھائی وہ بھی ایک وقت تھا۔ اب خدا مجھ کو اس بلا سے محفوظ رکھے ایسی اگر تو اس کے خیال کو دل سے دُور کرنا نہیں چاہتی جو تیرا نام لینا بھی پسند نہیں کرتا تو تجھ سے زیادہ بدنصیب عورت دنیا میں کون ہو گی۔ تجھے یہ سُن کر اَور بھی تعجب ہو گا کہ میں اس کو زبردستی یہاں لایا اور تیری سفارش کی مگر وہ تجھ سے اس طرح ڈر کر بھاگا جس طرح بچہ بچا سے یا آدمی چڑیل سے اور ایسا بھاگا کہ پھر پلٹ کر تیری طرف نہ دیکھا اور مجھ سے التجا کی کہ آیندہ اس کے سامنے تیرا نام نہ لُوں۔

ایبلا۔ اس کا کہنا درست اس کا خیال صحیح اور اس کی رائے صائب۔ وہ ان تمام تعلقات میں کبھی میرا شرمندۂ احسان نہ ہُوا۔ برخلاف اس کے میری گردن اس کے احسانات سے دبی ہوئی ہے۔ اس کے احسانات کا سلسلہ جن اسباب سے جاری تھا۔ ان میں بڑا سبب میرا حُسن ظاہری تھا جو اب ختم ہو چکا

ایسی حالت میں اگر میں یہ توقع رکھوں کہ وہ میری مکروہ صورت دیکھے تو یقیناً میں اس پر ظلم کرونگی۔ جس کو میں روا نہیں رکھتی اس کا مجھ سے گریز کرنا قانون فطرت ہے اور تمہاری یہ کوشش کہ تم نے میری صورت دکھا کر اس کو تکلیف دی۔ گو نیک نیتی تھی مگر دستور محبت کے خلاف +

"میرے پاس اب کوئی چیز نہیں ہے جو مسعود کو اپنی طرف مائل کرسکے"

ہاں اس نے جو احسانات میرے ساتھ کئے ہیں ان کا معاوضہ میرا فرض ہے۔ میں اس کی صورت کی کم اور اس کے احسانات کی زیادہ گھائل ہوں اور موت کے سوا کوئی طاقت مجھے اس زنجیر سے رہائی نہیں دلواسکتی۔ میری صورت سے اس کا تنفر اب قابل شکایت نہیں +

"میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ میں مسعود کو اپنی طرف مائل کرسکوں"

ابیلا اپنی رائے میں معقول گفتگو کررہی تھی۔ مگر اب یہ فقرہ دوبارہ اس کی زبان سے نکلا تو وہ تمام توقعات جو زندگی کی خبر سُن کر از سر نو زندہ ہوئی تھیں ناامیدی سے بدلیں آنکھیں بند کرلیں۔ اور کہنے لگی :-

ہرمز! اس کا فعل جائز۔ اس کا انکار صحیح مگر اس کی محتاج نہیں تیری ممنون ہوں کہ اب ان آنکھوں میں اس کے سوا کچھ نہیں وہ میرے دل میں ہے۔ میری آنکھوں میں ہے میرے پاس ہے میرے ساتھ ہے۔ ہرمز جو کبھی میسر نہ ہوا۔ وہ اب حاصل ہے جس کو ہمیشہ ترسی وہ پہاڑ پر ہاتھ آگیا۔ اس کی تصویر آنکھوں میں رکھ کر بند کرتی ہوں۔ اس کی صورت ان چلونوں میں چھپا کر کھول لیتی ہوں۔ وہ دن کو دوپہر کو صبح کو شام کو ہر وقت اور ہر لحہ میرے سامنے موجود ہے۔ بس ہرمز! جا۔ چلا جا۔ ہٹ جا۔ دُور ہو جا۔ میرے خیالات میں فرق میرے استغراق میں کسر میرے انہماک میں کمی اور میری محویت میں خلل نہ ڈال +

ہرمز۔ مجھے تیری حالت پر رحم اور تیری صورت پر ترس آتا ہے۔ تیری عقل کا قصور۔ تیرے دماغ میں فتور تو دیوانی ہے۔ جوانی خاک میں ملارہی ہے اور اس کو جو تیرا نہیں اپنا سمجھ رہی ہے۔ اُٹھ کھڑی ہو۔ اور میرے ساتھ چل +

ابیلا۔ میں اس دیوانگی میں خوش اور اس تخیل میں مست ہوں۔ مجھے محل کی ضرورت نہ شہر کی حاجت میں یہاں خوش ہوں۔ دیکھتی نہیں جو ہوتا ہے مگر سنتی ہوں جو ہورہا ہے۔ اور معلوم کرتی ہوں۔ جو ہوا کرتا ہے۔ پتے میری گود میں گرتے ہیں شاخیں میرے سر پر ہاتھ پھیرتی ہیں۔ ہوا میری گود میں جھولتی ہے۔ بادل میرے سر پر کڑکتے ہیں۔ پرند میرے سامنے گاتے ہیں۔ ہرمز یہ وہ کیفیتیں اور

وہ حالتیں ہیں۔ جو مسعود کا جلوہ ہر وقت ان آنکھوں کو دکھاتی ہیں ٭

"ہرمز مجھے معاف کر اور جا" ٭

(۱۷)

یہ میرا آخر وقت ہے۔ مدائن کی لڑائی میں جو تیر میرے سینہ میں لگا وہ قاتل تھا۔ میں نے اس کو معمولی سمجھا اور احتیاط نہ کی۔ زخم بڑھتا گیا اور اب زندگی کی کوئی اُمید باقی نہیں۔ طبیب نے جواب دیدیا۔ مگر میں نہایت خوش نصیب ہوں کہ خُدا کی راہ میں شہید ہُوا۔ تم میرے گواہ ہو کہ میں مشرک پیدا ہُوا۔ اور مسلمان مرتا ہوں۔ مجھے اپنی تقدیر پر فخر اور قسمت پر ناز ہے کہ دنیا کھو کر دین کمایا۔ اور زندگی لُٹا کر حیات ابدی حاصل کی۔ اسلام سے پہلے میں نے لاتعداد گُناہ اور ان گنت خطائیں کیں۔ میرا کوئی فعل۔ میرا کوئی قول۔ میری کوئی ساعت میرا کوئی لمحہ اچھا نہ گُزرا۔ شرک و کفر کے علاوہ خود میرا ذریعہ معاش ہی سو گناہوں کا ایک گناہ تھا۔ میں دربار یزدگرد کا جلّاد تھا۔ نہ معلوم کتنی گردنیں بیگناہ اڑائیں اور کتنے انسان بے خطا قتل کئے۔ آج ان سب کا بار میری گردن پر ہے۔ مگر میں اپنے تمام گناہوں اور قصوروں خطاؤں اور لغزشوں کو ہیچ سمجھتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وہ سب قابل عفو ہیں۔ اور معبود حقیقی اپنے رحم و کرم سے سب کو معاف کرے گا۔ مگر ایک گناہ وہ گناہ ہے۔ ایک ظلم وہ ظلم ہے ایک ستم وہ ستم ہے جس کے خیال سے ہمیشہ لرزتا اور اب تک کانپتا اور تھرّاتا ہُوں۔ ابھی میری زبان کھلی ہوئی اور کام کر رہی ہے۔ میرے اوسان درست اور دماغ صحیح ہے۔ ندامت اس عذاب سے۔ حوائل اور حجالت اس بازپُرس سے جو یقینی زیادہ وزنی نہیں۔ میں نے کئی دفعہ قصد کیا۔ بارہا کوشش کی کہ قصور معاف کراوں مگر زبان اٹھی نہ ہمت پڑی۔ لیکن اس وقت مجبور ہُوں کہ سناؤں اور لاچار کہ بیان کروں۔ وہ قصور مسعود تمہارا۔ وہ خطا مسعود تمہاری۔ وہ ظلم تمہاری محبُوبہ اور ستم تمہاری پیاری ملکہ ابیلا پر ہے ٭

یزدگرد نے جس وقت تمہارے قتل کا حکم دیا ہے۔ اس سے پہلے دو اور آدمیوں کے قتل کا حکم دے چکا تھا۔ تم نے اپنی تلوار جو درحقیقت تمام ایران کا مول تھی مجھ کو دے کر اپنی جان بچائی۔ اور میں نے دوسرے شخص کا سر بادشاہ اور ملکہ کو دکھا کر ایک تڑپتی ہوئی لاش بھی دکھا دی۔ مگر میں ہمیشہ ڈرتا اور سہما رہا کہ اگر خبر لگ گئی تو بادشاہ میرا زن بچہ کولھو پلوا دے گا۔ مسعود آج کہتا ہُوں ابیلا وہ عورت ہے جس کے دامن پر فرشتے نماز پڑھیں۔ وہ اس وقت نہیں ہے مگر حق یہ ہے کہ ماژندران سے ایسی لڑکی اٹھی جس کا مثل تمام ایران پیدا نہیں کر سکتا۔ اس نے بادشاہ کی سلطنت

پر لعنت بھیجی اور اس کا سوال حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اور عصمت کے معاملہ میں جان کی پرواہ نہ کی۔ بادشاہ اس کے مزاج سے واقف اور معاملات سے باخبر تھا۔ اور خوب سمجھتا تھا کہ یہ بُت سختی سے رام ہونے والا نہیں۔ اراکین دربار سے مشورہ کیا اور لالچ دیا کہ اگر کسی طرح ابیلا رضامند ہو جائے تو انعام واکرام سے مالامال کر دُوں گا۔ جب ہر کوشش رائگاں اور فضول ٹھہری تو میں نے ملکہ کو تین مہینے کی مہلت اس شرط پر دلوائی۔ کہ وہ ظاہری باتوں سے بادشاہ کو ہمیشہ خوش رکھے۔ کون ہے جو ملکہ ابیلا کی محبّت کو سمجھ سکتا ہے۔ اس نے صرف اس لئے یہ شرط منظور کر لی کہ روزانہ ایک دو گھنٹے کے واسطے تن تنہا اپنے محبُوب کی قبر پر جس کا میں نے اسے یقین دلا دیا تھا روزانہ آسکے۔ جب چند روز اس طرح گزر گئے اور بادشاہ کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ تو میں نے ملکہ سے یہ وعدہ کیا کہ وہ نہا دھو کر اور بن ٹھن کر صرف ایک گھنٹہ کے واسطے بزدگرد کی خواب گاہ میں بیٹھ جائے۔ ایسی حالت میں کہ بادشاہ اس کو ہاتھ نہ لگائے گا۔ تو میں اُس کو اُس کے محبُوب کی صُورت دکھا سکتا ہوں۔ محبّت کی ماری نے میری تجویز سے اتفاق کیا۔ یہ وہ روز ہے جب میں نے تم سے کہا۔ کہ ملکہ بادشاہ پر فریفتہ ہو گئی اور اس کے ساتھ عیش میں مصروف ہے اور تم کو لے جا کر وہ منظر دکھا دیا۔ میں ڈرتا ہوں اور خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ملکہ ابیلا کا دامن عصمت ہر دھبے سے پاک ہے۔ مجھے نہیں معلوم اب وہ کہاں ہے مگر وہ وہ ہے جس پر ایران ہمیشہ فخر کرے گا۔

مسعود یہ سُن کر خاموش اٹھا اور باہر آیا تو شب سیاہ سر پر تھی اور چمک دار تارے مادر فلک کی گود میں لوٹ رہے تھے۔ دو لمحہ خاموش رہا اور پھر چیخ اٹھا۔

"آ میرے سامنے آ میری بے گناہ ملکہ سامنے آ"

تو انسان نہیں فرشتہ۔ عورت نہیں حُور۔ میں انسان نہیں پتھر اور مرد نہیں جانور۔ تو عصمت کی دیوی۔ وفا کی تصویر۔ میں دغا کا پتلا اور فریب کا نمونہ!

بدن میں رعشہ تھا۔ ہاتھ پاؤں لرز رہے تھے۔ پھر کہا:۔

"آ میرے سامنے آ۔ میری بے گناہ ابیلا سامنے آ"

اور گر کر بے ہوش ہو گیا۔

(۱۸)

کوہ سیا کی اس چوٹی پر جہاں ملکہ ابیلا اپنی نابینائی یا فراق محبُوب کا نہیں خیال محبُوب کا نالہ کر رہی ہے۔ رات کے آخر حصہ میں اور روز روشن کے طلوع میں بہت تھوڑا وقفہ تھا۔ ایک

شخص نے آکر یہ الفاظ کہے:-

والی پرس نے اپنی عنایت خسروانہ سے تجھ کو آج دن بھر کی مہلت دی ہے کہ تو غور اور فیصلہ کر کہ تجھ کو کیا کرنا ہے۔ آج شب کو جشن سالگرہ ہے اور کوئی طاقت تیری شرکت کو نہیں روک سکتی۔ اگر تجھ کو منظور ہے تو علاوہ حکومت پرس کے والی تجھ کو بصارت بھی عطا فرمائے گا۔ ورنہ آج وہ روز ہے کہ جس آگ پر تیرے والی پرس کو جلا رکھا ہے وہ تیرے خون کے چھینٹوں سے ٹھنڈی ہوگی تو یہ سن کر خوش ہوگی کہ تیرے واسطے ایسا اکمہ وہم کا لباس بنا ہوا ہے۔ اور غروب آفتاب کے ساتھ ہی فوج شاہی کا ایک مخصوص دستہ تجھ کو کاخ ہرمز میں داخل کر دے گا۔

پیامبر اپنے آقا کا پیام کہنے کو تو کہہ گیا، مگر ایپلا کی حالت پر اس کا دل کٹ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ چاندنی جس کی شعاعیں تمام ایران کو منور کر رہی تھیں، آج کس طرح گہن میں ہے جو آنکھیں چاروں طرف بجلیاں گرا رہی تھیں وہ اس وقت روشنی کو ترس رہی ہیں جس کی حکومت کا دور دورہ ڈنکا بج رہا تھا وہ اس وقت بیکس و لاچار پہاڑ کی چٹان پر سر ٹیکے کھڑی ہے۔

ملکہ نے کچھ دیر تامل کے بعد کہا:-

تم پر پیامبر کا حق ضرور ہے لیکن غور کرو تو مظلوم کا حق بھی تمہاری ذات پر تھوڑا بہت ہے۔ اگر کام آؤ تو ایک کام کر دو میں تم کو معاوضہ نہیں دے سکتی مفلس ہوں احسان نہیں مان سکتی ہوں قابل نہیں لیکن انسانیت تم کو تمہارے اس سلوک پر مجبور کرے گی۔

پیامبر- کہو کیا کام ہے؟

ایپلا- کسی طرح ظالم کے ظلم سے بچا دو۔

پیامبر- کسی طرح نہیں اس کے تیور بگڑے ہوئے ہیں اور یہ ناممکن ہے۔

ایپلا- ساسانوں کا پڑاؤ یہاں سے کتنی دور ہے؟

پیامبر- سات یا آٹھ میل۔

ایپلا- ایک پیام پہنچا دو گے؟

پیامبر- مشکل! مگر ممکن ہے۔

ایپلا- اگر تمہاری طبیعت میں رحم، تمہارے دل میں کرم، تمہارے مزاج میں انسانیت اور تمہاری طبیعت میں شرافت ہے تو اس تکلیف کو برداشت کرو۔ تمہاری اس بھلائی کا بدلا۔ اس نیکی کا معاوضہ [illegible] تم کو دے دوں گی۔

پیامبر۔ پیام تو پہنچا دوں گا۔ مگر زبانی نہیں تحریری ؏

ابیلا۔ یہاں قلم دوات نہیں ہے ؏

پیامبر۔ اس کا میں ذمہ وار نہیں ہوں ؏

ابیلا۔ درخت کا ایک صاف بڑا سا پتہ اور ایک پتلی سی ٹہنی توڑ دو۔ سپہ سالار کا کیا نام ہے؟

پیامبر متحیر تھا کہ کیا کرے گی اور کیونکر لکھے گی۔ اس نے پتہ اور ٹہنی لا کر دی۔ اور کہا سپہ سالار کا نام سعد۔ تو ابیلا نے سنگ ریزہ بازو میں گھسیڑ کر خون سے یہ دو سطریں لکھیں ؏

"مسلمانوں کے حق میں آج پہلی رات ہوگی کہ ایک نابینا اور لاوارث عورت کا شیشۂ عصمت ہرمز والی برس کے ہاتھوں چکنا چور ہوتا ہے۔ جو ہوگا وہ ہو جائے گا۔ مگر کل ایک زبردست طاقت کے سامنے میرا ہاتھ ہوگا۔ اور سعد کا گریبان اگر اسلام مظلوم کی امداد کی اجازت دیتا ہے۔ تو شرط یہ ہے واقعہ کا علم سپہ سالار کے سوا کسی دوسرے شخص کو نہ ہو" ؏

دن کا بڑا حصہ ابیلا نے اسی پیچ و تاب میں بسر کیا۔ ہرمز کے پیام سے زیادہ تکلیف دہ خیال یہ تھا کہ کہیں سعد کو علم نہ ہو جائے اور اس کو بھی آنے کی تکلیف ہو۔ اس ادھیڑبن میں تھی کہ پیامبر نے آ کر کہا ؏

تیری بدنصیبی قابل افسوس ہے۔ میں نے زحمت بھی اٹھائی۔ مگر بے سود مسلمانوں کا لشکر کوچ کر چکا تھا۔ تاہم میں نے تیرا پتہ سائنڈنی سوار کو دے دیا ہے۔ جو سعد کی خدمت میں بھاگم بھاگ جا رہا تھا ؏

(۱)

دوپہر کے اس قیامت خیز وقت میں جب آسمان و زمین آتشکدۂ بہرام بنے ہوئے تھے۔ ہوا آگ کے شعلے اگل رہی تھی۔ مسلمانوں کا لشکر گھوڑے دوڑائے حلوان کی طرف جا رہا ہے تلواریں تلواروں کے میان۔ بدن، بدن کے کپڑے۔ گھوڑے گھوڑوں کے زین، ہر چیز آگ ہے۔ ہوا جھلسنے ہوئے طمانچے منہ پر مار رہی ہے۔ لو دہکتے ہوئے انگارے جسم پر ڈال رہی ہے۔ مگر شجاعان اسلام کی رفتار میں فرق نہیں آتا نصف راستہ طے کرنے کے بعد یہ لشکر مقام سیل پر تھا کہ دو قاصد ایک سامنے سے اور ایک پشت سے سرپٹ آتے دکھائی دئے۔ اور پہلے سامنے والے قاصد نے آکر کہا:۔

شہنشاہ یزدگرد کی طرف سے جو اس ملک کی حکومت کا جائز حق رکھتا ہے اس فوج کے سپہ سالار کو جس نے ہمارے ملک پر بغیر کسی حق کے محض لوٹ مار کی طفیل قبضہ کر لیا معلوم ہو کہ اس وقت تک ہماری شکست محض ہمارا اپنا قصور تھا مگر ہم بتا دیں گے کہ ہم میں کیا طاقت ہے۔ اور کس طرح ہم دشمن کی ہڈیاں چباتے ہیں۔ حلوان میں ہماری دو لاکھ فوج جو تمہارا شکار کرے گی۔ تمہارے خون کی پیاسی بیٹھی ہے۔ یہ لوگ سیاوش اور کیقباد کے نام کو زندہ رکھنے والے ہیں۔ ہم تم کو صرف اس لئے کہ پردیسی ہو اور ہم خونریزی کو جائز نہیں سمجھتے۔ تم کو آگاہ کرتے ہیں کہ اب خیر اسی میں ہے کہ اس پیام کے سنتے ہی جدھر سے آئے ہو اُدھر ہی چلے جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ یہ سرزمین جس کو تم دھوکے سے قبضہ میں لے چکے آسانی سے تمہارے پاس رہنے والی نہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد کی ہڈیاں اس جگہ دفن ہیں۔ ہماری مائیں اور بہنیں اس خاک میں آرام کر رہی ہیں۔ ہم اپنی جانیں لڑا کر اور سر کٹا کر یہ زمین تم سے واپس لیں گے۔

سعد: ہم بیشک لوٹ مار کرنے والے تھے۔ مگر اب نہیں ہیں۔ اس وقت ہم خدائے برحق کا پیام، پہنچانے والے۔ دین فطرت کی طرف تم کو بلانے والے۔ تم لوگوں کو صراط مستقیم بتانے والے۔ اور احکام الٰہی کے دکھانے والے، ہم نے ہمیشہ اتمام حجت کے بعد تلوار میان سے باہر نکالی۔ یاد رکھو ہم میدان جنگ میں کثرت و قلت کا خیال نہیں کرتے۔ جب تک ہماری نیت نیک۔ ہمارے قصد اچھے اور ہماری کوشش سچی ہے ہم برابر کامیاب ہونگے۔ تمہارے ساتھ دو لاکھ فوج ہو یا دس لاکھ ہمارے پاس خدا کی اعانت اور ہمارے ساتھ اس کا وعدہ۔ اگر ہم کو کہیں شکست ہوئی یا ہوگی، اُس کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ وہ ہماری اپنی غلطی اور ہماری اپنی لغزش ہوگی۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کسی قوم

کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت آپ نہ بدلے۔ ہم اپنی حالت بدل رہے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ وہ ہے جو قدرت کو کثرت پر ترجیح دے سکتا ہے۔ تم اگر اسلام قبول کرو تو ہمارے بھائی ہو۔ اور ہم تمہاری ہر قسم کی مدد کو تیار۔ اگر انکار ہے تو جزیہ دو۔ اور اسلام کی حفاظت میں داخل ہو ورنہ میدان جنگ قدرت اور کثرت کذب اور صداقت کا فیصلہ کر دے گا۔

اس کے بعد مسلمانوں کا اپنا قاصد جو لشکر سے پیچھے رہ گیا تھا آگے بڑھا اور سلام علیک کہہ کر ایک پیام ہاتھ میں دیا۔

اس کو پڑھنے کے بعد سعد نے قعقاع کی طرف دیکھا اور کہا:۔

تم بسم اللہ کرو اور لشکر کو لے جاؤ۔ میں برس جاتا ہوں۔ متعلقہ علاقوں کی خلقت اب ہماری رعیت ہے۔ شریفوں کی شرافت اور عورتوں کی عصمت کا قائم رکھنا اب اسلام کا فرض ہے برس میں ایک زندہ روح پر مصیبت ہے اور اگر میں وقت پر نہ پہنچ سکا اور ظالم ڈاکو نے اس کے جواہرات چھین لئے۔ تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور یقیناً خدا کے حضور میں اس کا مواخذہ جائز اور میرا عذر نامعقول ہوگا۔

غصہ سے سعد کا چہرہ سرخ تھا۔ منہ سے کف جاری تھے اور آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا سپہ سالار کی یہ کیفیت دیکھ کر تمام فوج سناٹے میں رہ گئی۔ قعقاع نے سامنے آکر عرض کیا۔

مشورہ ہر کام میں اولے ہے۔ سپہ سالار کا تنہا جانا مناسب نہیں ضرورت ہے کہ ایک دستہ ساتھ لیجئے اور ہم کو مفصل حالات سے اطلاع دیجئے۔ تاکہ واقعات کا علم سب کو رہے۔

سعد۔ مجھے دونوں باتوں کے منظور کرنے سے انکار نہ تھا۔ مگر پیام کی پہلی شرط یہ ہے کہ واقعہ کا علم کسی دوسرے کو نہ ہو۔ مطمئن رہو میں کل تم سے آملونگا۔

قعقاع۔ اگر کیفیت یہ ہے تو ہم مجبور ہیں لیکن مسعود کو کم از کم ساتھ لے لیجئے کہ یہ راستوں سے آشنا اور ان لوگوں کے معاملات سے باخبر ہیں۔

سعد۔ مگر پیام کی شرط ٹوٹتی ہے اس لئے خدا کے فضل پر بھروسہ کرو۔

قعقاع۔ ہم حکم کی تعمیل کرتے ہیں مگر لڑائی اس وقت تک شروع نہ ہوگی۔ جب تک آپ نہ آجائیں۔

سعد۔ لڑائی کسی خاص شخص کی نہیں کہ ایک شخص پر موقوف ہو جائے۔ تم اپنا فرض پورا کرو میں اپنا کام کرتا ہوں۔

قعقاع نے آنکھیں نیچی کر لیں۔ لشکر خاموش تھا۔ مسعود نے باآواز بلند کہا:۔

"فی امان اللہ"

گھوڑے کی باگ موڑ دی اور سرپٹ دوڑا دیا۔ آناً فاناً سپہ سالار آنکھ سے اوجھل تھا۔ اب قعقاع نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ اور مسلمان حق حق کہتے روانہ ہوئے۔

(۳)

مجھ سے زیادہ سنگدل، مجھ سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا۔ میں نے محبت کو بدنام اور الفت کو رسوا کیا۔ میں وہ ہوں جس نے اس خوشرنگ پھول کو جو بے مثل تھا پاؤں سے مسلا۔ میں وہ ہوں جس نے اس حور کو جو انسانیت کا بے نظیر مرقع تھی الٹی چھری سے ذبح کیا۔ میں وہ ہوں جس کی صورت پر لعنت جس کی شکل پر پھٹکار جس کی ہستی پر ملامت برس رہی ہے۔ میں وہ ہوں جس سے زمین زمین کا ہر وہ ذرہ جو مجھ کو دیکھتا ہے۔ آسمان آسمان کا ہر وہ حصہ جو آنکھ کے سامنے ہے نفرت کر رہا ہے۔ اس دل میں اب زخم نہیں ناسور ہے۔ اس سر میں اب سودا نہیں آفت ہے۔ خجالت میرے پاس، ندامت میرے ساتھ، میں مکاروں کا سرتاج عیاروں کا سردار۔ فریب میرے کام سے۔ دغا میرے نام سے ثابت۔ اور ظاہر تن پھکتے پھکتے، دل جلتے جلتے کوئلہ ہو گیا۔ فراق ہی کچھ کم نہ تھا۔ اس پر یہ ظلم، یہ ستم حسین ہو کر، والی سلطنت ہو کر، عورت ہو کر، محبوب ہو کر، اتنی معقول، ایسی تھی، کہ بات کی پوچھ پر سب کچھ کھو بیٹھی۔ کہاں ہے کدھر ہے کس حال میں ہوگی کس رنگ میں ہوگی۔ نظر آجاتی۔ دیکھ لیتا، قربان ہوتا۔ نثار ہوتا۔

ڈھونڈ چکا۔ سب جگہ دیکھ چکا۔ کونہ کونہ۔ مگر نہیں ملتی۔ نہیں دکھائی دیتی۔ ارمان اتنا۔ آرزو اس قدر۔ اور خواہش صرف اتنی ہے کہ ایک دفعہ ہائے ایک دفعہ دور سے وہ صورت ......

یہ پہاڑ ہے۔ کدھر نکل آیا۔ یہاں کہاں۔ شام ہونے والی ہے۔ اب واپس جاؤں۔ کل حملہ ہے۔ شاید موت میری مشکل آسان کر دے۔ مگر میں اتنا خوش نصیب کہاں۔ اگر خودکشی گناہ نہ ہوتی تو اس کوہ سیاہ کی چوٹی سے گر کر ختم ہو جاتا۔

"آجا، ملکہ نظر آجا"

ہوا نے یہ آواز ایک کے کان میں پہنچائی۔ روتی ہوئی اٹھی ہاتھ پھیلا دئے اور بھاگی اس طرف جدھر سے آواز آئی تھی۔ مگر ساتھ ہی خیال آیا مسعود اب اس صورت کو دیکھ کر کیا خوش ہوگا۔ ٹھٹھر گئی مگر آواز کا اثر اتنا تھا کہ وہیں تڑپنے لگی۔ لفظ کوئی سمجھ میں نہ آیا تھا مگر آواز مسعود کی تھی بیتاب ہو گئی

ہرچند ضبط کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ کھڑی ہوئی بڑھی۔ ایک چیخ ماری اور چلا کر کہا:-

"مسعود! میں صورت دیکھنے سے محروم ہوں۔ آواز ایک دفعہ اور سنا دے"

مگر اب کچھ نہ تھا۔ وہ آواز بھی نہ آواز والا۔ ایک چیخ ماری اور یہ کہہ کر گری:-

"مسعود ایک دفعہ آواز اور سنا دے"

غروب آفتاب میں بمشکل ایک ساعت ہوگی کہ ہشیار ہوئی اٹھی۔ آنکھیں کام نہ کرتی تھیں مگر اسی سمت رخ کیا اور اس توقع پر کھڑی ہوگئی کہ شاید اس کے واسطے آنکھیں روشن ہوجائیں اور شاید ایک دفعہ وہ آواز پھر کان میں آجائے۔

اسی حالت میں کھڑی تھی کہ کان میں یہ آواز پہنچی "تیری مصیبت کی انتہا ہوئی۔ تیری تکلیفیں آج ختم ہوتی ہیں اور تیرا رنج وغم خوشی سے بدلتا ہے۔ آنکھیں جن سے تو محروم تھی والی برس کے حکم سے اس وقت تجھ کو پھر عطا ہوتی ہیں۔ چل چشمہ پر چل رہا اور پھر ہم تیری آنکھیں روشن کردیں۔ تاکہ تو یہ خلعت پہن کر ہو والی کے پیچھا ہے جن سالگرہ میں شہر پاک ہو گئے"۔

ابیلا۔ اگر تمہارے پہلو میں دل ہے تم انسان ہو اور انسانیت کے معنی سمجھ سکتے ہو تو اس وقت میرے خیالات منتشر نہ کرو۔ میری گئی ہوئی دولت۔ میری چھٹی ہوئی عشرت۔ میرا گیا ہوا دوست۔ میرا بچھڑا ہوا محبوب مدت کے بعد مجھ کو ملا ہے۔ یہ وقت ظلم کا نہیں رحم کا اور ستم کا نہیں کرم کا ہے۔

پیامبر۔ چل چشمے پر چل والی منتظر ہے۔

اس کا جواب کچھ نہ تھا۔ خاموش ہوئی اور بیٹھ گئی۔

پیامبر۔ اگر تو جواب نہیں دیتی تو چل ہمارے ساتھ چل۔ جو حکم ہم کو دیا گیا ہے اس کی تعمیل ہوگی۔ اور ضرور ہوگی۔

ابیلا اب بھی خاموش تھی۔ زبردستی چار آدمیوں نے اس کو گود میں اٹھایا۔ پہاڑ کے نیچے لائے۔ اور گھوڑے پر بٹھا کر رستہ لیا۔

(۳۲)

مسلمانوں کا لشکر ابھی حلوان سے دو منزل ادھر تھا کہ دشمن کی ٹڈی دل فوج نظر آئی۔ تمام میدان گرد ان ایران سے پٹا پڑا تھا اور جدھر نظر جاتی تھی فوج ہی فوج نظر آتی تھی۔ قعقاع نے قیام کا حکم دیا۔ اور اسی میدان میں ڈیرے ڈال دئے۔ ابھی اچھی طرح دم بھی نہ لینے پائے تھے کہ یزدگرد نے لڑائی شروع کردی اور تیروں کا مینہ اس زور سے برسایا کہ مسلمان پریشان ہوگئے۔ ایرانی تیروں کی آڑ میں آگے

بڑھتے چلے آرہے تھے جب قعقاع نے دیکھا کہ دشمن سر پر آپہنچا اور مسلمانوں کے تیور ٹھیک نہیں تو آواز بلند کہا جس ملک کا پورا حصہ پہلے اسلام کا لوہا مان گیا جس سرزمین کے ہر قطعہ پر تم رسول اکرم کا سکہ بٹھا چکے اب اس میں دم باقی نہیں۔ مدائن کے شیر اور دریا کے تیر تمہاری صداقت کے سامنے پانی ہو گئے۔ یہ وقت ان ہی جوہروں کے دکھانے کا ہے۔ تم نے سخت سے سخت مصیبتیں اٹھا کر اور عزیزوں کی قربانیاں چڑھا کر اسلام کا بول بالا کیا ہے۔ اگر ایک قدم بھی پیچھے ہٹا کیا۔ تو جو کما چکے ہو۔ سب گنوا دو گے۔ دشمن سامنے اور شکار آنکھ کے روبرو ہے۔ آؤ اور بسم اللہ کرو ۔

یہ کہہ کر قعقاع نے پہلی تلوار اس زور سے ایک جری کے دی کہ دو ہو کر گر پڑا۔ اب کیا تھا مسلمان چل پڑے اور غروب آفتاب تک وہ تلوار چلی کہ میدان جنگ میں خون کی ندیاں بہہ گئیں مسلمانوں نے ہزار جوش دکھایا اور قعقاع نے لاکھ جوش دلایا۔ مگر ایرانیوں نے بھی اپنے جوہر دکھانے میں کمی نہ کی۔ حلوان کا میدان چیونٹیوں کی طرح فوج اگل رہا تھا۔ یہاں تک کہ رات نے سیاہی کا پردہ ڈال کر فریقین کو خاموش کر دیا ۔

یزدگرد نے آج لڑائی کا رنگ دیکھ کر پورا یقین کر لیا کہ اگر ہماری فوج نے ڈٹ کر مقابلہ کیا تو مسلمان ہمارے سامنے ٹھیرنے والے نہیں۔ اپنے بہادروں کو سامنے بلا کر ایک ایسی حوصلہ افزا تقریر کی کہ بہادروں کے دل سینہ میں اچھل پڑے اور کہنے لگے اب ہم میں اتنی تاب نہیں کہ صبح کا انتظار کریں۔ اجازت دیجئے کہ اسی وقت سوتوں کے سر پر جا پڑیں۔ اور یہیں ستفراؤ کر دیں ۔

یزدگرد نے اس تجویز کو پسند کیا اور ایرانیوں نے آدھی رات کے وقت شبخون مارا ۔

عراق عرب کی تمام فتوحات میں دشمن کی طرف سے پہلا وار تھا۔ اول تو رستے کے تھکے ہارے۔ اس پر میدان کے لڑے بھڑے بے خبر پڑے سوتے تھے کہ ایرانیوں نے ہاتھ صاف کرنا شروع کیا ڈیڑھ سو مسلمان اس طرح شہید ہو چکے تھے کہ قعقاع نے تکبیر بلند کی اور اس زور شور سے کہ فوج گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ دیکھا تو دشمن برابر ہاتھ مار رہا ہے۔ جھٹ پٹ مسلح ہو کر مقابلہ شروع کر دیا رات اندھیری تھی اور قعقاع کو کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ اس وقت کا انجام کیا ہوا۔ جب آفتاب نے اس منظر کے دیکھنے کو آنکھیں نکالیں تو معلوم ہوا کہ ایرانیوں نے اندھیرے میں اپنی ہی فوج کاٹ دی۔ یزدگرد یہ کیفیت دیکھ کر سناٹے میں رہ گیا۔ گو ابھی تک ایرانیوں کی ہمت بڑھی ہوئی تھی اور وہ مسلمانوں کے لشکر میں گھس کر لڑ رہے تھے اور نہایت بے جگری سے مگر یزدگرد نے فوج کو واپس بلا لیا۔ اور لڑائی اس وقت موقوف ہو گئی ۔

(۴)

کاخ ہرمز پھولوں کی خوشبو سے شمعوں کی روشنی سے۔ حریری فرش سے، دیبا کے پردوں سے ایرانی باجوں سے، سریلی تانوں سے بہشت شداد بنا ہوا ہے۔ ایک زمردیں تخت پر ہرمز خلعت گراں بہا میں لدا تاج سر پر رکھے نشہ میں مست زر و جواہر سے لوگوں کو مالا مال کر رہا تھا۔ امرا و روسا جشن سالگرہ کی خوشیاں منا رہے اور ہرمز کی درازی عمر کے نعرے لگا رہے ہیں۔ ہرمز انتظار جاناں میں بے قرار ہے جب کسی طرح صبر نہ ہوسکا تو کہنے لگا :-

پیاری ابیلا اب تک نہ آئی۔ دشمنوں کا دسنہ جا کر مر گیا ٭

ادھر یہ فقرہ ختم ہوا۔ اُدھر میلے کچیلے پھٹے پُرانے کپڑے پہنے اندر داخل ہوئی۔ ہرمز دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا :-

میں نے تم لوگوں سے کہا تھا کہ لباس تبدیل کر دینا ٭

سردار۔ سرکار ہم نے ہرچند کہا مگر ملکہ رضامند نہ ہوئیں ٭

ہرمز۔ اچھا اس دوسرے کمرہ میں پہنچا دو ٭

ابیلا اور ہرمز دونو اس کمرہ میں جو بقعہ نور تھا۔ تنہا تھے۔ باہر پہرا تھا اور واقعات کی کیفیت یہ تھی ٭

ہرمز۔ آ۔ میں سب سے پہلے تیری آنکھیں روشن کر دوں۔ تا کہ تو جشن کی بہار اچھی طرح دیکھ سکے اور تجھے معلوم ہو کہ تو اس شخص کے پہلو میں ہے جس سے زیادہ حسین اس ملک میں کوئی نہیں ٭

ابیلا۔ تیری صورت اور تیرے حسن کی کیفیت دیکھنے کے واسطے اندھی آنکھوں کے روشن ہونے سے روشن آنکھوں کا اندھا ہونا بہتر ہے ٭

ہرمز۔ کیا ابھی تک تیرے خیالات وہی ہیں۔ اور اس مصیبت نے تیری حالت تبدیل نہیں کی ٭

ابیلا۔ مصیبت یادِ محبوب میں راحت تھی۔ اور وہ کیف میسر تھا جو کبھی حاصل نہ ہوا ٭

ہرمز۔ تو اپنی ہٹ سے باز آ۔ گو تو اس وقت بہت ہی ردی کیفیت میں ہے جس جسم پر خلعت گراں بہا اور تاج شاہی ہمیشہ رہا۔ اس پر آج پُرانے چیتھڑے موجود ہیں مگر مہ جبیں ابیلا تو اس چاند کی طرح چمک رہی ہے۔ میرے پاس آ۔ اور میرے دل کی آگ ٹھنڈی کر۔ تو برس کی مالک اور والی برس میں تیرا غلام سے میں آنکھیں روشن کروں ٭

ابیلا۔ او ظالم تو اپنے ناپاک ہاتھوں کو دُور رکھ اور مجھ سے یہ توقع نہ کر کہ میں مصیبت سے اکتا

کہ تیری ذلیل خواہش اور ناپاک قصد کو پورا کر دوں گی ❊

ہرمز۔ اگر انسانیت تیرے پتھر دل پر اثر نہیں کر سکتی۔ تو میں جانور بھی ہو سکتا ہوں۔ اور سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں تو ٹیڑھی کروں گا۔ میری خواہش کا پورا ہونا آج کی خوشی ہیں کہ رعیت کا بچہ بچہ میرے اقبال کی ترقی کا دعا گو ہے یقینی ہے تو اپنی آنکھیں کھول اور دیکھ کہ اس رات کو برس برس نہیں۔ نوشیرواں کے محل مدائن کے قصر اور شداد کی بہشت کو شرمارہا ہے ❊

ایبلا۔ تیری خوشی تجھ کو مبارک ہو۔ مجھے اس میں شریک ہونے کی ضرورت نہیں ہے تو اگر جانور بنے گا تو یہ یاد رکھ کہ گو میری آنکھیں کام نہیں کر رہیں۔ مگر جس دل نے باپ اور بھائی کو اپنی عزت پر قربان کر دیا۔ وہ ابھی تک میرے پہلو میں ہے۔ میرے ہاتھ ابھی اس قابل ہیں کہ تجھ جانور کو اپنے پاس نہ آنے دیں ❊

ہرمز۔ سنبھل ایبلا سنبھل سمجھ ایبلا سمجھ۔ سوچ بیوقوف سوچ ❊

ایبلا۔ سنبھلی ہوئی ہوں سمجھ چکی اور سوچ چکی۔ مگر اب تجھ سے میں ملتجی ہوں کہ اس حسن کی خوشی میں اس جوانی کی یادگار میں اس حسن کے تصدق میں مجھ کو چھوڑ دے۔ ہرمز میرا دل زخمی ہے اس پر نمک نہ چھڑک غصہ کا فرد کرنا انتقام سے بہتر ہے۔ تیرا جوش جس نے تجھ کو دیوانہ بنا دیا کھلی ہوئی حیوانیت ہے۔ انسان ہے انسان بن اور مجھ کو کہ میری طرح مالک تخت نہیں ایک انسان ہوں وہ سماں دکھا دے کہ تیرا احسان اور مسعود کی محبت دونوں دریا جب تک زندہ ہوں دل میں موجزن رہیں ❊

ہرمز۔ میں مرد ہوں اور ایک سلطنت پر حکومت کر رہا ہوں مجھ سے یہ توقع نہ کر کہ تیرے فریب میں آ کر تجھ کو چھوڑ دوں گا ❊

اب ہرمز نے شراب کا گلاس پیا اور اٹھ کر کہ ایبلا کا ہاتھ پکڑا اور گھسیٹ کر اپنے پاس بٹھا کر کہا پیاری ایبلا اس صورت پر رحم کر یہ محبت کے قابل نہیں پرستش کے لائق ہے ❊

ایبلا۔ ہٹ دور ہٹ مجھ کو ہاتھ نہ لگا ❊

ایبلا کے دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے چڑھے ہوئے ہرمز کے ایک ہاتھ میں تھے اور دوسرا اس کی گردن میں ❊

ہرمز۔ تجھ کو اس وقت بچانے والا کوئی نہیں ❊

ایبلا۔ آسمان کے تاسے میری بے بسی اور تیرا ظلم کمرہ کی ہوا میری مجبوری اور تیرا ستم اچھی طرح دیکھ

رہے ہیں ہیں جانتی ہوں مجھے تجھ سے بچانے والا کوئی نہیں۔ مگر ہرمز رحم کر رحم کر ظالم رحم کر ہرمز کا جوش اور تیز ہوا۔ اس نے دوسرا ہاتھ بھی ابیلا کی گردن میں ڈال دیا۔

اب ابیلا نے باآواز بلند کہا:۔

"آسمان میری مدد کو پہنچ۔ زمین مجھ کو ظالم سے بچا۔ ہے کوئی انسان جو اس وقت میری مدد کرے"

"تو مطمئن رہ کہ محفوظ ہے"

ایک ننگی تلوار روشنی میں چمکی اور یہ الفاظ کمرہ میں اس طرح گونجے کہ ان کے ساتھ ہی ایک شخص اندر داخل ہوا۔

ہرمز دیکھتے ہی غصہ میں آگ بگولا ہو گیا۔ دیکھتا ہے تو سپہ سالار افواج اسلامیہ اس کے سر پر کھڑا ہے۔

ہرمز کی نگاہ نیچی تھی۔ بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ سعد اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لایا۔ رسی سے مشکیں باندھیں اور اپنے ساتھ لیا۔

عورت کی تلاش کی تو وہ موجود نہ تھی۔ چاروں طرف دیکھا۔ لوگ دوڑائے۔ خود دیکھا مگر ملکہ ابیلا کا پھر پتہ نہ چلا کہ کہاں گئی۔

(۵)

میرے اس صحیح جذبہ کا یقین کرنے والا کوئی نہیں۔ میری غرض میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ میرے کان ایک دفعہ وہ آواز اور سن لیں میں ایک دفعہ لشکر اسلام میں پہنچ جاؤں۔ میں خود ہی اس کے دیکھنے سے محروم ہوں۔ اس قابل نہ رہی کہ دیکھ سکوں۔ وہ اگر یہ سمجھے کہ میرا منشا یہ ہے تو غلطی ہوگی۔ میں اس کی آواز کو ترس رہی ہوں۔ اس کی جلیلہ کی جاؤں۔ اس کی نفرت درست مجھے مسعود کو مجبور کرنے کا کوئی حق نہیں۔ ہاں اس کی منابہت سے اگر یہ میسر آجائے کہ اس کی آواز سن لوں تو یہی منزل مقصود اور یہی عین آرزو۔ خبر نہیں دن ہے یا رات۔ سڑک ہے یا جنگل کل جو کانٹا تلوے میں چبھا تھا وہ شاید پک گیا۔ اب چلا نہیں جاتا۔ ایڑی کے بل چل رہی ہوں بھوک پیاس تو مطلق نہیں ہے۔ ہاں اب چل نہیں سکتی۔ کس سے پوچھوں مسلمانوں کا لشکر کہاں ہے۔ مگر نہیں مسعود کو میرا نام سن کر تکلیف ہوگی۔ یہ ممکن نہیں کہ بغیر معلوم رہے اس کی آواز سن لوں۔ کیسا ظلم کرتی ہوں۔ سخت بہت سخت۔ اپنی آرزو پوری کروں اور اسے تکلیف دوں۔ وہ خوش ہو تو خوش رہے۔ میں نے کیوں اذیت دی۔

"او بھائی رستہ چلنے والے اندھی اپاہج کی ایک بات سنے گا؟"

"کہہ کیا کہتی ہے"؟

ابیلا۔ میں کہاں ہوں اور تو کون ہے؟

"میں راہگیر ہوں اور تو جنگل میں ہے" +

ابیلا۔ تم کہاں جا رہے ہو؟

راہگیر۔ حلوان +

ابیلا۔ تم حلوان کے رہنے والے ہو؟

راہ گیر۔ نہیں میں لشکر اسلامیہ کا ایک سپاہی ہوں +

ابیلا۔ حلوان یہاں سے کتنی دور ہے؟

راہگیر۔ تو اپنا مطلب کہہ ان باتوں سے کیا فائدہ +

ابیلا۔ بھائی ناخوش نہ ہو۔ تجھے تکلیف ضرور ہوئی۔ معاف کر میں مسلمانوں کے لشکر تک جانا چاہتی ہوں +

راہگیر۔ مگر چل کس طرح سکتی ہے؟

ابیلا۔ تم مجھے اس سڑک پر ڈال دو +

راہگیر۔ آ +

راہگیر نے جس وقت ابیلا کا ہاتھ پکڑا اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ وہ ہاتھ ہے۔ یہ وہ آنکھیں ہیں یہ وہ شخص ہے جنہوں نے مسعود کو چھوا۔ اس کو دیکھا۔ اس سے باتیں کیں۔ جذبۂ صادق سے مجبور تھی۔ آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔ اس کا ہاتھ آنکھوں سے لگایا +

راہگیر۔ یہ کیا کرتی ہے! تو کون ہے۔ ڈائن؟

ابیلا۔ نہیں۔ آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں +

راہگیر۔ بس اپنے شکریہ سے باز آیا۔ بس یہی سڑک ہے۔ جا چلی جا +

(۶)

سعد۔ اس تمام علاقہ میں ایسا عظیم معرکہ آج تک نہ ہوا تھا جیسا آج ہوا۔ امید نہ تھی کہ ایرانیوں کا دم ایسی وقت سے نکلے گا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تمام ملک فتح ہو چکا ہے اور مصمم قصد کر لیا ہے کہ کسی طرح پیچھے نہ ہٹیں گے۔ آج جو شجاعت مسلمانوں نے میدان میں دکھائی ہے میں یہ نہیں کہہ

سکتا ہوں کہ وہ بے نظیر تھی۔ مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ان سے جو توقعات تھیں وہ پوری ہوئیں۔ اور خدا کی ذات سے امید قوی ہے کہ فتح عنقریب اپنا منہ دکھانے والی ہے +

قعقاع۔ جو شجاعت اور بے جگری بہادران اسلام نے اس معرکہ میں دکھائی وہ اس قابل ہے کہ مسلمانوں کے منہ چوم لئے جائیں۔ اس وقت ان کے مقابلہ میں دو لاکھ سے زیادہ فوج ہے مگر یہ ہمارے فدائیوں کی ہی ہمت ہے کہ قدم نہیں ڈگمگاتا۔ جس وقت ظالموں نے میسرہ پر حملہ کیا ہے اور پہاڑ کی طرح گرے ہیں۔ اس وقت خدا ہی نے ہماری لاج رکھ لی۔ ورنہ میں تو سمجھا تھا کہ میدان ہاتھ سے گیا +

رات ختم ہونے کے قریب تھی۔ اور سعد و قعقاع یہ گفتگو کر رہے تھے۔ مختلف تجاویز پیش نظر تھیں اور بحث کا سلسلہ جاری تھا کہ مؤذن نے خدائے واحد کی عظمت کا گیت گا کر وداع شب کا پیام پہنچایا۔ مسلمان کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اٹھ بیٹھے۔ وضو کیا۔ نماز پڑھی اور میدان جنگ میں آموجود ہوئے +

ایرانیوں کی طرف سے آج قصیر ایک پہلوان سب سے پہلے مقابل آیا۔ اور کہا تم لوگ ابھی تک فرار نہیں ہوئے۔ یہ تمہاری انتہائی بے حمیتی اور حد سے بڑھی ہوئی بے غیرتی ہے۔ تم تین روز سے ہماری شجاعت دیکھ رہے ہو۔ شاید یہ سمجھتے ہو کہ پچھلے معرکوں کی طرح اب بھی ہم بھاگ جائیں گے تم نے ہم کو پہچانا نہیں کہ ہم کون ہیں۔ ہم تم کو دکھا چکے اور اب بھی اگر تم نہیں سمجھتے اور نہیں دیکھتے تو قضا تمہارے سروں پر کھیل رہی ہے۔ آؤ تم میں سے جو سب سے زیادہ جری ہو۔ اور جس کو زندگی وبال ہو میرے سامنے آئے۔ تاکہ میں اس کی آرزو پوری کروں اور اس تلوار کے جوہر دکھاؤں +

ہاشم مقابلہ کو نکلے۔ دیر تک دونوں اپنے اپنے جوہر دکھاتے رہے۔ بالآخر عربی تلوار غالب آئی اور ایرانی قتل ہوا۔ اس کے گرتے ہی تمام فوج ہاشم پر ٹوٹ پڑی۔ ہاشم اس نرغہ سے نکلے تو سہی مگر اس طرح کہ تمام جسم زخموں سے چکنا چور تھا۔ ہاشم کے نکلتے ہی ایرانیوں نے میسرہ پر ایک زبردست حملہ کیا۔ مسلمانوں نے بھی اس کے جواب میں اچھی طرح اپنے جوہر دکھائے اور اس بہادری سے لڑے کہ آفتاب ڈھلنے کے قریب پہنچ گیا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے نہ سرکے +

قعقاع میمنہ پر تھے اور گو یہ تدبیر قواعد جنگ کے خلاف تھی مگر وہ دس ہزار فوج لے کر آگے بڑھے اور بائیں بازو پر بجلی کی طرح آکر گرے۔ ایرانیوں کی فوج کا جو حصہ میسرہ پر گرا تھا۔ وہ

تو وہیں کھیت رہا۔ مگر بقیہ ایرانی اس دلیری سے قعقاع پر ٹوٹے کہ اگر سعد عمر کو اور حضرت بھیجتے تو ایک شخص بھی زندہ نہ رہتا۔ پھر بھی دو ہزار سے زیادہ مسلمان اس موقعہ پر شہید ہوئے اور لڑائی دوبارہ بالمقابل شروع ہوئی ۔

آج کا آفتاب بھی فتح شکست کا فیصلہ نہ کر سکا اور لڑائی دوسرے روز کے واسطے ملتوی ہوئی غروب آفتاب کے ساتھ ہی سعد نے شہدائے اسلام کو سپرد زمین کیا اور کہا :-

مسلمانوں ! یہ مُردہ نہیں زندہ ہیں۔ ان کے چہرے دیکھو نور اسلام سے جگمگا رہے ہیں یہ اپنے گھربار چھوڑ چھاڑ یہاں میٹھی نیند سوئے ہیں۔ اور ان کی آنکھیں جو بند ہو کر کھلی ہیں اس نتیجہ کی منتظر ہیں جب تمہارے مبارک ہاتھ اور تمہارا پاک جوش فتح حلوان کے ساتھ عراق عرب میں اسلام کا جھنڈا چار سو بلند کر دے۔ زمانہ سینکڑوں برس آگے نکل جائے گا۔ عراق عرب کی حکومت بیسیوں تاج بدلے گی تم زندوں کی فتح تاریخ میں رہے گی۔ مگر یہ مُردہ ہڈیاں تمہاری شجاعت کی زندہ یادگاریں ہیں جو سیاح کو بتا دیں گی کہ مسلمانوں نے کس طرح اس سرزمین کو فتح کیا۔ رات سر پہ آگئی اگر کل بھی تم فتح نہ حاصل کر سکے تو نتیجہ اچھا نظر نہیں آتا۔ اسی دل سے اسی ہمت سے اور اسی تلوار سے جس نے تم کو یہاں تک پہنچا دیا۔ اللہ اکبر کہہ کر کل حلوان میں داخل ہو جاؤ۔ ایرانیوں نے چاروں طرف جاسوس چھوڑ دئے ہیں جو رنگ برنگ کے بھیسوں میں نظر آ رہے ہیں۔ ہشیار رہنا اور خیال رکھنا کہ کوئی شخص لشکر میں داخل نہ ہونے پائے ۔

(۵)

رات اندھیری تھی مگر عروس فلک کا چہرہ تاروں کی افشاں سے چمک رہا تھا۔ موسم گرم تھا مگر ہوا ٹھنڈی۔ وقت خاموش تھا لیکن درخت جھومتے ہوا شجاعان اسلام کی صداقت کے نغمے آواز بلند گا رہی تھی کہ پہرہ دار نے للکار کر کہا :-

کون ؟

. . . .

جواب دے ورنہ گولی آتی ہے ۔

مجھے کچھ عرض کرنا ہے ۔

ٹھہر جا آگے قدم نہ بڑھائیو ۔

پہرہ دار نے جا کر دیکھا تو ایک اندھی عورت اپاہج مجبور سی تھی جس کی کمر جھکا کر دشمنوں نے

جس کی صورت بگاڑ کر بڈھا بنا دیا تھا۔ خاموش کھڑی ہے ٭

پہرہ دار۔ کون ہے کیوں آئی ہے ؟

عورت۔ سنتی ہوں مسلمان انسان ہوتے ہیں۔ اگر یہ مسلمانوں کا لشکر ہے تو ایک التجا کرتی ہوں،

پہرہ دار۔ ہاں یہ مسلمانوں کا لشکر ہے اور ہم صداقت کے بندے ہیں۔ اگر تو جاسوس نہیں ہے تو خوشی سے تیری مدد کریں گے ٭

عورت۔ ایک اندھی عورت اپاہج بےکس کیا جاسوس ہوگی۔ میرا ایک کام کر دو۔ اور اپنے ہاتھ سے گولی مار دو ٭

پہرہ دار۔ اور یہ تو پاؤں کیوں پکڑے ہوئے ہے اُف رے یہ تو لہولہان ہے۔ ٹپک رہا ہے۔ اس میں کیا ہوا ؟

عورت۔ تھوڑی سی تکلیف ہے ٭

پہرہ دار۔ اس میں کانٹا ہے۔ لاؤ میں نکال دوں ٭

عورت۔ نہیں تم مجھے اس جگہ پہنچا دو جہاں

پہرہ دار۔ تو جاسوس ہے ضرور ہے۔ اندر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھ یہ ایک شخص اور گرفتار ہے۔ اسی کے ساتھ تو بھی قید ہو جائے گی .... کون ؟

مسعود۔ کیا ہے ؟ یہ کون ہے۔ کس سے باتیں کر رہا ہے ؟

پہرہ دار۔ ایک اپاہج اندھی عورت ہے ٭

مسعود۔ جاسوس ہوگی۔ نکال دو نکل نکل غارت ہو جا۔ بھاگ جا ٭

مسعود گھوڑا دوڑاتا ہوا اندر چلا گیا۔ تو پہرہ دار نے عورت کو دیکھا۔ وہ بیہوش پڑی تھی۔ آواز دی جھنجھوڑا۔ بڑی مشکل سے ہشیار ہوئی۔ تو پہرہ دار نے لے جاکر رستہ پر چھوڑ دیا کہ جا اس طرف چلی جا ٭

(۸)

وصل فراق سے زیادہ پرلطف اور امید کامیابی کامیابی سے بڑھی ہوئی کامیابی ہے میں ملکہ ایبلا کی محبت میں ناکام ہوا شکایت نہیں۔ محبت کا انجام عشق کا نتیجہ یہی ہے اور ہونا ہے۔ لیکن میرے دامن محبت پر تو بے وفائی کا ایسا دھبہ ہے جو کسی طرح نہیں چھٹ سکتا۔ موت کی آرزو جائز نہیں۔ لیکن اس خواہش کا اظہار گناہ نہیں کہ سر ان قدموں پر ہو۔ اور دم

نکل جائے۔ اس نے اس وقت تک محبت پر حرف نہ آنے دیا۔ نہ کرنے کی باتیں کر دیں۔ اور ناممکن کو ممکن دکھا دیا۔ میں زندہ ہوں اور اس کا پتہ نہیں کہ کہاں ہے اور کس حال میں۔ ایک سلطنت کی مالک۔ ایک تخت کی وارث۔ میری وجہ سے کیسی بدنام کیسی ذلیل کیسی رسوا کتنی تکلیف کتنی وقت کیسی مصیبت میں پھنسی۔ باپ بھائی دولت سلطنت سب کچھ گنوا دیا۔ قید میں گئی۔ فاقے کئے۔ جو نہ پڑنی تھی پڑی اور جو نہ آنی تھی وہ اٹھائی۔ ایران کا پھول عجم کا چاند عراق کا حسن۔ میری وجہ سے میرے سبب سے میرے باعث سے کملا گیا۔ گہنا گیا۔ برباد ہو گیا۔ سعد میری بے قراری سے دیوانگی سے۔ بے تابی سے اچھی طرح واقف ہے۔ اب میں اپنی مفصل کیفیت بیان کر دوں۔ فتح ہماری انشاء اللہ یقینی ہے۔ لشکر اب جلد واپس جائے گا۔ مجھے چند روز کی اجازت بھی لینی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ساری رام کہانی سنا دوں ۔۔

رات کا پچھلا پہر تھا کہ مسعود نے رو رو کر اپنی داستان اور بلبلا کر اپنا حال سعد کو سنایا۔ اور اس درد سے کہ سعد بھی بے چین ہو گیا۔ مسعود کے صبر و استقلال کی داد دی۔ اور جب یہ سنا کہ اس تمام واقعہ میں کسی موقعہ پر اور کسی حال میں مسعود نے اسلام کی شان ہاتھ سے نہ دی تو بے ساختہ گلے سے لگا لیا۔ اور کہا ہرمز والی برس گرفتار ہے اس کو لاؤ۔ شائد اس سے کچھ حال معلوم ہو سکے ۔۔

تھوڑی دیر بعد مسعود ہرمز کو لئے حاضر ہوا تو سعد نے کہا :۔

میری رائے تھی کہ معرکہ حلوان کے بعد تم کو سب کے سامنے قتل کروں۔ گو تم واجب القتل ہو مگر تم توبہ کرو تو اس شرط پر رہائی دے سکتا ہوں کہ اس عورت کی مفصل کیفیت بیان کرو جو باوجود تلاش کے کہیں نہ ملی۔ اور جو درحقیقت اس قابل ہے کہ ایران اس پر فخر کرے ۔۔

ہرمز کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے کہا :۔

وہ چاند جو اس آسمان پر چمکا۔ وہ پھول جو اس سرزمین پر کھلا وہ لڑکی جو اس خاک سے اٹھی۔ جس کا جواب جس کا مثل جس کا نظیر اس ملک سے۔ اس مذہب سے۔ اس قوم سے ہوا نہ ہو سکتا ہے نہ ہوگا۔ مازندران کی ملکہ ابیلا تھی۔ دولت جس کے قدموں میں۔ حکومت جس کی ٹھوکروں میں اور عزت جس کے پاؤں میں تھی اور ہے اور رہے گی۔ مجھ کو اپنے قتل رعیت کی بربادی اور برس کی تباہی کا ملال کیا خیال بھی نہیں۔ افسوس ہے افسوس نہیں رنج ہے رنج نہیں صدمہ کہ میں نے حسن کے ڈھیر کو۔ دولت کی کان کو۔ محبت کی جان کو تاراج کیا۔ پامال کیا۔ برباد کیا۔ دنیا جس کی

فریفتہ رہی۔ جہاں اس کا پروانہ اور ایران جس کا دیوانہ رہا۔ اس نے آج تک اب تک اس وقت تک اپنی عصمت پر حرف اپنی عفت پر دھبہ اور اپنی آبرو پر آنچ نہ آنے دی۔ میں نے اپنی حکومت کے زعم۔ دولت کے نشہ اور جوانی کے غرور میں جو کچھ اس کے ساتھ کیا۔ وہ جگر خراش ہے۔ اس کی آنکھیں نکالیں۔ اس کو قید کیا اور زمین سے اٹھا کر پہاڑ کی چوٹی پر ڈال دیا مگر کسی مصیبت نے کسی اذیت نے اور کسی آفت نے اس کا قدم نہ ڈگمگایا۔ اس کے کپڑے چکٹ۔ اس کا بدن زخمی۔ اس کے پاؤں لہولہان اور اس کی حالت ردی ہو گئی۔ مگر اس کا دامن ہر لغزش سے پاک رہا۔ وہ بدنصیب عورت جو لونڈیوں کے ہڈ رہے ہیں۔ اندھی فقیرنی معلوم ہوتی تھی۔ تخت پر بیٹھنے والی ملکہ ابیلا تھی۔ اس کی زندگی اور میرے مظالم کا حد سے زیادہ تکلیف دہ واقعہ وہ ہے۔ جب میں نے اس کو یقین دلایا مسعود تیری شکل سے متنفر۔ تیری صورت سے گریزاں اور تیرے نام سے بیزار ہے۔ اس نے اس کا یقین کیا اور کہا اس کا خیال سچا ہے۔ میری صورت بگڑ گئی اور میں خود اس کو اب اپنی صورت دکھا کر تکلیف نہ دونگی ✤

مسعود: کس طرح کہوں ابھی چند گھنٹے پیشتر وہ اندھی عورت جس کو تم نے نکال دیا۔ جس کے پاؤں لہولہان تھے وہ تمہاری محبوبہ ابیلا تھی جو صرف تمہاری آواز کی بھوکی تھی وہ تمہارے چلے آنے کے بعد تمہاری آواز سنتے ہی بیہوش ہو گئی۔ اور جب اس کو ہوش آیا تو پہرہ دار سڑک پر چھوڑ آیا ✤

سعد: میں تصدیق کرتا ہوں کہ صورت اور عصمت دونوں اعتبار سے وہ عورت یہ حق رکھتی ہے کہ یہ زمین اس پر فخر کرے ✤

اتنا سنتے ہی مسعود چکر کھا کر گرا اور یہ کہتا ہوا بے ہوش ہو گیا ✤

مظلوم ابیلا حسن کی دیوی عصمت کی . . . .

گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد ہوش آیا تو جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ چاروں طرف ڈھونڈتا پھرا۔ چیخ چیخ کر آوازیں دیں۔ رویا پیٹا پکارا چلایا مگر ہر صدا بے سود اور ہر کوشش بیکار تھی ✤

(۹)

آج کا طلوع ہونے والا آفتاب وہ آفتاب ہے جس نے فتوحات فاروقی عراق عرب میں مکمل کیں۔ اور جہاں توحید کے پہنچنے کا وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا وہاں ہر گوشہ سے حق کا نعرہ بلند کر دیا۔ صبح کی نماز سے فراغت پا کر مسلمان میدان جنگ میں آئے اور صدائے تکبیر بلند

کی۔ ایرانی بھی فوراً مسلح ہو کر مقابلہ کو نکلے۔ آج شخصی لڑائی ملتوی ہوئی۔ ابھی مسلمان خاموش بیٹھے کہ ان پر ایرانیوں نے پہلے روز کی طرح تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا اور اس شدت سے تیراندازی کی کہ میسرہ کا بڑا حصہ زخمی ہو گیا مسلمانوں نے بھی اس کا جواب دیا مگر ان کی کوشش ناکام رہی اور دوپہر تک جنگ کی کیفیت یہی رہی اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ کہ سعد نے فوری حملہ کا حکم دیا اور قعقاع و ہاشم میمنہ و میسرہ کے دستے لے کر بجلی کی طرح گرے۔ کامل چار ساڑھے چار گھنٹے تک دست بدست لڑائی رہی مسلمانوں نے اپنا زور لگانے اور شجاعت دکھانے میں کسر نہ کی مگر ایرانی ایک قدم پیچھے نہ ہٹے۔ یزدگرد یہ رنگ لڑائی کا دیکھ کر بہت ہی برافروختہ ہوا۔ وہ مسلمانوں کا پہلا جوش دیکھ چکا تھا اور سمجھتا تھا کہ یہ اس وقت سامنے سے ہٹنے والے نہیں۔ کہ سامنے سے خاک اڑتی دکھائی دی اور معلوم ہوا کہ سردار مہروز پچیس ہزار تازہ دم فوج لے کر یزدگرد کی مدد کو آیا ہے +

ایرانیوں کی ہمت بڑھی۔ یزدگرد کا چھوٹا ہوا دل شیر ہوا۔ اور اب اس کو فتح کا یقین کامل تھا مسلمانوں کے واسطے یہ بہت نازک وقت تھا۔ ان کے دل پہلے ہی ہوا ہو رہے تھے۔ اس کمک نے ان کی ہمتیں اور بھی پست کر دیں۔ لشکر کا یہ حال دیکھ کر سعد نے للکارا اور کہا :-

مقابلہ فوج کا نہیں اسلام اور کفر۔ صدق اور کذب حسنات و سیئات کا ہے۔ ایرانی اگر اس سے چوگنی فوج بھی لے آئیں تو تم پر غالب آنے والے نہیں۔ تمہارے ساتھ اس خدائے واحد کی فوج ہے جس کے واسطے تم اس میدان میں آئے۔ دل بڑھاؤ ہمتیں بلند کرو اور ان لوگوں کو دکھا دو کہ اگر نیت میں صداقت ہو تو قدت و کثرت قابل وقعت نہیں +

مسلمان شیر کی طرح جھپٹے اور نعرۂ تکبیر بلند کر اس زور سے گرے کہ میدان لاشوں سے پٹ گیا۔ شام تک یہ کیفیت رہی۔ اب آفتاب غروب ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ مہروز اپنی تازہ فوج لے کر حملہ آور ہوا۔ اور ہاشم کے دستے پر اس بُری طرح گرا کہ اگر ہاشم نہ سنبھلتے۔ تو فوج لڑکھڑا گئی تھی۔ ہاشم نے خود آگے بڑھ کر مہروز کا مقابلہ کیا۔ اور ایک تلوار اس زور سے مہروز کے دی کہ اس کا سر تن سے جُدا ہو گیا۔ مہروز کا گرنا تھا کہ مسلمان اس فوج پر ٹوٹ پڑے۔ اُدھر سعد نے باآواز بلند کہہ دیا کہ لڑائی کا فیصلہ اسی وقت ہو گا یا عراق عرب میں اسلام کا جھنڈا لہرایا اور یا مفتوحہ علاقے اور شہدا کی ہڈیاں ایرانیوں کے قبضہ میں گئیں اگر آج پیچھے ہٹے تو یاد رکھنا شہدا کی ہڈیاں تک ایرانی برباد کر دیں گے۔ اب فوج پھر بڑھی اور وہ گھمسان کا رن پڑا کہ سرزمین ایران اس معرکہ کو ہمیشہ یاد رکھے گی۔ اس حملہ میں مسلمانوں نے نصف سے زیادہ

فوج دشمن کی کاٹ دی اور ایرانی پیچھے ہٹے۔ ایرانیوں کا ہٹنا تھا کہ مسلمان حق حق کے نعرے لگاتے آگے بڑھے اور خوب زور سے تلوار چلی۔ آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ کہ یزدگرد میدان سے بھاگا۔ اور اس کے فرار ہوتے ہی فوج بھی ایسی بھاگی کہ پھر پلٹ کر نہ دیکھا +

سعد نے حسب دستور سب سے پہلے خدا کا شکر ادا کیا اور اس کے بعد حلوان میں داخل ہوئے رات نے بہادران اسلام کا استقبال کیا۔ یزدگرد نے بھاگ کر رے میں قیام کیا اور معرکہ حلوان کی فتح نے ان فتوحات کے خاتمہ کے ساتھ ہی عراق عرب کی باگ مسلمانوں کے ہاتھ میں دیدی +

رات گزر جانے کے بعد صبح کی نماز سے جب مسلمان فراغت پا چکے تو سعد نے قعقاع ہاشم اور دوسرے چیدہ سرداروں سے مخاطب ہو کر کہا۔ خدا نے ہم کو اس مہم میں مدد دی اور اب ہماری فتوحات ختم ہوئیں۔ ہم کو واپس چلنا ہے لیکن مسعود جیسے جری کی مفارقت پر ہم کو دلی رنج اور افسوس ہے۔ یہ خود مجبور ہیں کہ ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اور میں بھی یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ اصرار نہ کروں۔ تاہم جس صداقت جس خلوص جس شجاعت اور جس دلیری سے انہوں نے اس سرزمین پر ہماری اعانت کی اس کے شکریہ سے ہم بمشکل سبکدوش ہوں گے +

(۱۵)

مسعود کا یہ احسان بھی کچھ کم نہیں کہ اس نے اپنی عنایت سے مجھے آواز سنا دی۔ وہ آواز جواب تک میرے کانوں میں گونج رہی ہے اس نے اگر مجھ کو نکال دیا۔ جھڑک دیا۔ ٹھکرا دیا تو بیجا نہیں میں نے اس کو یقیناً اس کے خیال کو لاریب اس کی آنکھوں کو بلاشک تکلیف دی مجھے اپنی صورت دکھانی مناسب نہ تھی۔ یہ الزام میری گردن پر یہ دھبہ میرے دامن پر ہے اور ضرور ہے میں محبت کی مدعی ہوں اذیت کا باعث ہوگئی ہوں یہ غلطی ضرور ہوئی۔ مگر سچ کہتی ہوں ارادتاً نہیں اس کو حق تھا کہ وہ مجھے نکال دے۔ اس کا کام تھا کہ وہ مجھے ٹھکرا دے۔ اس وقت تک اس کا کوئی فعل آئین محبت سے باہر نہیں۔ میں کچھ شک نہیں گنہگار ہوں دل میں یہ خواہش ضرور ہے کہ ایک مرتبہ آنکھیں اس صورت کو دیکھ لیتیں۔ مگر میری خواہش غلط۔ میری آرزو ناجائز اور میری توقع نادرست +

"مسعود میرا قصور معاف کر"

آج پیاس بہت لگ رہی ہے۔ پرسوں ایک اللہ کے بندے نے پلا دیا تھا کسی کو غرض ہے کہ میرے واسطے کنوئیں سے پانی لائے اور پلائے نہ معلوم بستی کتنی دور ہے۔ شاید کسی کو رحم آجائے۔

اور تھوڑا سا پانی پلا دے ۔

رات اندھیری اور آسمان ابر آلود تھا۔ گھٹا چھائی ہوئی اور بادل تلا ہوا۔ درخت ہوا میں جھوم رہے اور دریا زور شور سے لہریں لے رہا تھا جنگل بیابان میں یہ بے چین ہستی جس کے دل میں رہ رہ کر اور جس کے کلیجہ میں تھم تھم کر ہوکیں اور ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ با آواز بلند نالہ کر رہی تھی۔ اس کے پاؤں میں چبک تھی اس کے زخم میں کھولن تھی۔ مگر وہ روحانی کیفیت کے سامنے جسمانی کیفیت کو قطعاً فراموش کر چکی تھی۔ جب قدم اٹھاتی تھی اور پاؤں اٹھتے ہوئے اذیت پہنچاتا تھا تو ایک ہاتھ سے پکڑ کر چلتی تھی اور اپنے نالہ میں مصروف ہو جاتی تھی۔ خاموش ہوئی اور پھر ایک خیال میں مستغرق کچھ سوچا۔ ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور چیخ کر کہا ۔

"مسعود میرا قصور معاف کر"

شجر زیتون کے نیچے کی ایک جھونپڑی سے کوئی بڈھا فقیر باہر نکلا۔ چاہا کہ دیکھے اور خواہش کی کہ بدنصیب انسان کو دریافت کرے۔ لیکن تاریکی دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور آسمان نے خفیف آنسو گرانے شروع کر دئے تھے۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ بادل گرجتا تھا مگر چمکتا نہ تھا کہ پھر وہی دردانگیز آواز کان میں آئی ۔

"مسعود میرا قصور معاف کر"

اسی طرف لپکا مگر اندھیرا گھپ تھا۔ کوئی صورت نظر نہ آئی۔ منتظر رہا اور ایک مرتبہ اور وہی آواز کان میں آئی۔ اسی سمت ہو لیا تو قریب پہنچ کر میلے کپڑوں سے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ کوئی ہے پوچھا ۔

رات کی اس تاریکی اور جنگل کی اس تنہائی میں اے شخص کیا مصیبت تجھ کو لے کر آئی ؟

اپیلا۔ تم کو دریافت کرنے کی کیا اور کیوں ضرورت ہوئی ؟

فقیر۔ تیرے نالہ میں درد۔ تیری صدا میں اثر اور تیری بے قراری میں چوٹ تھی ۔

اپیلا۔ میں عورت ہوں اور اندھی ہوں۔ یہ کیا جگہ ہے ؟

فقیر۔ جنگل ہے اور مدائن یہاں سے دو کوس ہے ۔

اپیلا۔ میں پیاسی ہوں کیا تم مجھ کو تھوڑا سا پانی پلا سکتے ہو ؟

فقیر۔ ہاں نہایت خوشی سے آ تو میرا ہاتھ پکڑ اور میری جھونپڑی میں چل ۔

اپیلا۔ اچھا چلو ۔

فقیر ابیلا کا ہاتھ پکڑ کر لایا۔ بارش زیادہ ہوگئی تھی۔ اندر لاکر بٹھایا۔ پانی پلایا اور کہا اگر بھوک ہو تو کچھ کھالے ٭

ابیلا۔ اچھّا ٭

فقیر نے کچھ روٹی دی۔ وہ کھائی۔ کھا چکی تو فقیر نے کہا تیرے کپڑے تمام بھیگ گئے۔ ایسا نہ ہو تو بیمار ہو جائے۔ تیرے پاس اَور کپڑے نہ ہوں گے ٭

ابیلا۔ نہ کپڑے ہیں نہ بدلنے کی ضرورت ہے ٭

فقیر۔ او عورت یہ تیرے پاؤں کی کیا کیفیت ہے یہ تو خون میں شرابور ہے ٭

ابیلا۔ ہاں۔ ہوگا ٭

فقیر۔ نیک بخت عورت تو ہے کون ؟

ابیلا۔ ایک بدنصیب عورت ہوں ٭

فقیر۔ کچھ مجھے بتا سکتی ہے کہ یہ مصیبت تم پر کس طرح آئی۔ کیا تیرا عزیز قریب کوئی نہیں۔ میں تیرا رازدار رہوں گا اور جہاں تک امکان میں ہوگا تجھ کو مدد دینے سے دریغ نہ کروں گا۔ میری گفتگو ایرانیوں کی سی ہو مگر میں مذہباً مسلمان ہوں اور جو زبان سے کہہ دوں گا اس میں فرق نہ آئیگا ٭

ابیلا۔ میں نے اسلام کی بہت تعریف سنی ہے اور سپہ سالار افواج اسلامیہ کا ایک ایسا کام دیکھا ہے کہ میں کہہ سکتی ہوں کہ اسلام دین فطرۃ ہے۔ کیا تم اس کے اصول مجھے بتا سکتے ہو ٭

فقیر نے ابیلا کو موٹی موٹی باتیں مذہب مقدس کی بتائیں اور کہا میں تجارت کی غرض سے عربستان گیا تھا۔ وہاں میں نے اسلام کا چرچا سُنا اور مدینہ منورہ پہنچا جس وقت اس کی زبان سے یہ لفظ نکلے کہ میری آنکھیں اس چہرۂ اقدس کی زیارت کر چکی ہیں جو رسول برحق تھا۔ تو اس پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ ابیلا اوّل تو مسعود ہی کی حالت دیکھ کر اسلام پر مائل ہو چکی تھی اس پر سعد کا وقت پر پہنچنا اس کے دل میں پُورا گھر کر گیا۔ اب جو اسلام کی مفصل حقیقت سُنی تو تھرا اُٹھی اور کہا مجھے بھی اسلام میں داخل کیجئے ٭

فقیر نے کلمۂ توحید پڑھایا اور کہا اب تو اپنی مفصل کیفیت اگر بیان کر سکتی ہے تو کر۔ صرف اس لئے کہ شاید میں کچھ مدد دے سکوں ٭

ابیلا۔ میری داستان اس قابل نہیں کہ اس میں کوئی مدد دے سکے۔ میری آرزوئیں اور ارمان سب پورے ہو چکے۔ اب میں کسی مدد کی محتاج نہیں ہوں۔ کیا آپ یہاں بھی مسلمانوں کے لشکر

ہیں گئے تھے۔ پھر خبر نہیں معرکہ حلوان کا انجام کیا ہُوا؟

فقیر۔ ہاں میں آج دن بھر وہیں رہا۔ حلوان مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ پرسوں صبح فتحمند لشکر اپنے وطن واپس جائے گا۔

ابیلا۔ کیا سب جائیں گے یہاں کوئی نہ رہے گا۔

فقیر۔ ہاں ساری فوج اور پورا لشکر۔

(۱۱)

"ہمارا دل گوارا نہیں کرتا۔ ہماری طبیعت برداشت نہیں کرتی کہ ہم فاتح ہو کر خوش و خرم گھر جائیں اور تم ہم میں نہ ہو۔ ضرورت تھی کہ ہم تم کو امیر المومنین کی خدمت میں پیش کرتے اور کہتے کہ یہ ہے ایران کی وہ قابل ناز ہستی جس نے ہر وقت اور ہر جگہ ہم کو وہ مدد دی جس کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔ میں نہایت رنج اور سخت افسوس کے ساتھ تم کو چھوڑ رہا ہوں مگر ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اور ہم کو پوری اُمید ہے کہ تمہاری شجاعت اور صداقت تم کو اسی طرح ثابت قدم رکھے گی جس طرح اب تک میں ایک گنہگار بندہ ہوں مگر میری دلی دعا ہے کہ تمہاری کھوئی ہوئی چیز تم کو مل جائے۔" اگر تم اپنی کوشش میں کامیاب ہو اور اس تک پہنچ سکو تو میرا سلام پہنچا دینا۔ میں تمہاری خدمات کے صلہ میں یہ تلوار تمہاری کمر سے باندھتا ہوں جو آج ہی امیر المومنین نے تمہارے واسطے روانہ فرمائی ہے۔ میں امیر المومنین کی طرف سے تم کو سلام پہنچاتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ تم تحفۂ فاروقی کی ہمیشہ قدر کرو گے۔ مسعود ہر دُکھ میں اور ہر تکلیف میں خدا پر بھروسہ کرنا۔ دُنیا آزمائش کی جگہ ہے یہاں جو بوؤ گے وہ وہاں چل کر کاٹنا ہے۔"

مسعود کی نگاہ نیچی تھی۔ اس کی آنکھ سے آنسو کی لڑیاں بہہ رہی تھیں۔ جس وقت سعد نے تلوار باندھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو ہچکی بندھ گئی۔ فوج نے دُعا کے بعد آمین کا نعرہ اس زور سے بلند کیا کہ تمام میدان گونج اٹھا۔

مسعود۔ مجھ کو صرف اتنی اجازت ہو کہ میں بھی چار منزل ہمرکاب رہوں اور اس کے بعد جُدا ہو کر کسی گوشہ میں اللہ اللہ کروں۔ گئی ہوئی چیز اب ہاتھ آنے والی نہیں۔

سعد۔ اگر تمہاری یہ خواہش ہے تو نہایت خوشی سے منظور۔ لیکن تم اس سفر میں بھی اپنی چیز کو تلاش کرو۔ شاید کہیں نظر آجائے۔ تاکہ پھر تم کو اس طرف آنے کی ضرورت نہ رہے۔ لشکر اسلامیہ گھوڑوں پر سوار تھا۔ مسعود نے بآواز بلند سلام علیک کی اور سب نے بالاتفاق وعلیکم السلام

کہہ کر" فی امان اللہ" کا نعرہ مارا۔ اس کے بعد سعد نے کوچ کا حکم دیا اور فوج روانہ ہوئی ۔

(۱۲)

جانتی ہوں کہ تو وہ ہے جس نے خاک عرب سے ایک ایسا انسان پیدا کیا۔ جو تمام دنیا کے انسانوں سے بہتر تھا۔ دیکھتی ہوں کہ تو نے ایک قلیل جماعت کو جو سچے دل سے تیری پرستش کرتی تھی۔ ایک لشکر جرار پر فتح دی سنتی ہوں کہ تو نے زلیخا کو اس وقت جب وہ تمام دنیا سے مایوس ہو کر تیرے دروازہ پر آئی۔ اپنی قدرت کا تماشہ دکھا دیا۔ میں اب ہر کوشش سے مایوس اور ہر امید سے ناامید ہو کر تجھ سے التجا کرتی ہوں تو رحیم ہے تو کریم ہے بس اور قبول کر میں مسعود کے دیکھنے کی آنکھوں کے ملنے کی۔ دولت کے آنے کی۔ سلطنت کے پانے کی خواہشمند نہیں۔ میری آرزو صرف اتنی ہے کہ ایک دفعہ مسعود کی آواز اور سن لوں۔" سنا دے اے مولا سنا دے۔" فقط لشکر واپس جاتا ہے۔ اب میں کہاں اور مسعود کی آواز کہاں۔" سنا دے اے قدرت والے سنا دے"۔ چھری نہیں کہ کاٹ ڈالوں پتھر نہیں کہ کچل دوں اس پاؤں کو جو راہ دوست میں اذیت پہنچا رہا ہے۔ بیٹھے بیٹھے کر گھسٹتی گھسٹاتی یہاں تک آئی۔ فقیر نے اسی سڑک کا پتہ دیا تھا۔ میں اس خاک کو جو مسعود کے گھوڑے کے قدموں سے اڑے گی سر پر رکھوں گی۔ آنکھوں سے لگاؤں گی ۔

مداین کی سڑک پر ابیلا بیٹھی ہوئی یہ باتیں کر رہی تھی۔ آفتاب غروب ہونے ہی کو تھا۔ کہ گھوڑوں کی ٹاپوں نے جنگل اور میدان سر پر اٹھا لیا۔ روئی بلبلائی مگر آواز نہ نکالی۔ آہستہ سے اتنا کہا :۔

ہوا مجھ بدنصیب کا اتنا کام کر دے کہ مسعود کے گھوڑے کی گرد میری آنکھوں تک لے آ۔ ہوا کا اٹھلاؤ کر منہ پر آ رہی تھی اور ابیلا اس خاک کو سر آنکھوں پر مل رہی تھی۔ شاید گھنٹہ بھر تک یہ سلسلہ جاری رہا جب تمام لشکر گزر گیا تو اٹھی اور کہا اب میں اس زمین کو بوسہ دوں جہاں مسعود کے گھوڑے نے قدم رکھے ۔

اٹھی اور اس سڑک پر آئی۔ زمین کو بوسہ دیا اور کہا :۔

آج تک کچھ تھوڑی سی امید باقی تھی اب وہ بھی ختم ہو گئی" مسعود چلا گیا" وہ بے وفا نہیں ہے میں ہی اس قابل نہ رہی۔ اب جی کر کیا کروں گی ۔

"احکم الحاکمین۔ میری مدد کو کوئی نہ پہنچا۔ اب تجھ کو پکارتی ہوں۔ دنیا سے اٹھا لے"۔

گڑگڑا رہی تھی کہ ایک گھوڑے کے آنے کی آواز کان میں آئی اور تھوڑی دیر میں گھوڑا کچلتا ہوا

نکل گیا۔ سوار ٹھٹکا اور کہا کون ہے؟

آواز مسعود کی تھی۔ سر پہلے ہی جھکا تھا۔ آہستہ کہا" قربان ہونے والی ابیلا"

اتنا جھکا۔ ادھر مسعود نے اپنی گردن جھکائی ادھر چاند نے سطح آسمان پر نمودار ہو کر دونوں آپس میں صورتیں دکھادیں۔

مسعود نے ابیلا کو سینہ سے لگا لیا اور کہا:۔

"ہائے کیا غضب ہو گیا"

مسعود کی نگاہ ابیلا کے چہرہ پر تھی اور کان جواب کے منتظر.........

مگر اس فقرے کا جواب وہ آخری سانس تھا جس نے مسعود کی گود میں ابیلا کو ختم کر دیا۔